پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

درس حدیث

محمد اظہر مدنی

وقت کو غنیمت جانو

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس: الصحة والفراغ". ٦٤١٢، باب الصحة والفراغ ولا عيش الا عيش الآخرة"/ كتاب الرقاق/ صحيح البخاری

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سارے لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ (ایک) تندرستی اور (دوسرا) فارغ وقت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ پیدائش سے پہلے ہی جہاں اس کی تقدیر لکھ دی وہیں پر اس کو کتنے وقت کے لیے اس دنیا میں رہنا ہے اس کو بھی لکھ دیا۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کی بات کرتے ہیں تو اس وقت ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی ہے کہ زندگی وقت سے عبارت ہے۔ اگر وقت نہیں تو زندگی نہیں۔

چنانچہ جب یہی مقررہ وقت انسان کا ختم ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی فنا ہو جاتی ہے، وہ اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر جاتا ہے۔ لہٰذا اپنی زندگی کو غنیمت جانو اور اپنے وقت کی حفاظت کرو۔ دنیا فانی ہے اور اس کے دن بہت ہی لمیٹیڈ اور محدود ہیں۔ ایک انسان جب اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کی عمر اسی وقت سے گھٹنی شروع ہو جاتی ہے اور دل کی ہر ہر دھڑکن کے ساتھ اس کی زندگی کی ایک ایک اینٹیں کھسکنی شروع ہو جاتی ہیں اور ہر ہر سانس اس کو موت سے قریب کرنے لگ جاتی ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ عمر بہت ہی مختصر ہے اور یہ زندگی کی محدود سانسیں ہمیشگی کی ملنے والی زندگی کا راستہ ہے۔ اس طرح مختصر اور محدود زندگی میں ہمیشگی کی زندگی کا لائحہ عمل تیار کرنا ہے اور اس ہمیشگی کی زندگی کے لئے آرام و آسائش کا سامان جٹانا ہے۔ اگر ہم نے اس محدود زندگی کی محدود سانسوں کو لایعنی چیزوں میں خرچ کر دیا تو ہمیشگی کی زندگی عذاب و تکلیف سے دوچار ہوگی اور اگر اس مختصر زندگی کے اوقات کو صحیح کام پر لگایا اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق گزار کر رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرتے رہے تو گویا ہمیشگی کی زندگی نعمتوں سے لبریز اور سکون و اطمینان سے بھرپور ہوگی۔

چنانچہ ایک سمجھدار انسان کی یہ پہچان ہونی چاہئے کہ وہ اپنے وقت کی قیمت کو سمجھے۔ اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ وقت تلوار کی طرح ہے اگر تم اس کا صحیح استعمال نہیں کر سکے تو وہ تم کو کاٹ دے گی۔ اس لیے سید ولد آدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کو نعمت قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ اکثر و بیشتر لوگ اس معاملے میں یعنی وقت کے استعمال کے تعلق سے گھاٹے میں رہتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ ''**کن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل**'' تم دنیا میں مسافر کی طرح ہو جاؤ، یا راہ گیر کی طرح، شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو، اپنی صحت کو مرض سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو (اور جو نیک عمل کرنا ہے اس کو وقت گزرنے سے پہلے کر گزرو) اور ایک دوسری حدیث میں یہ ذکر فرمایا کہ بروز قیامت آدمی کا ایک قدم آگے نہیں بڑھے گا یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہو جائے۔

عن عمره فيم افناه ؟ اس نے اپنی عمر کو کس چیز میں صرف کیا ہے۔؟ **وعن علمه ما فعل فيه** ؟ اور اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا۔؟ **وعن ماله من اين اكتسبه وفيم انفقه** ؟ اور اس نے اپنا مال کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا؟ **وعن جسمه فيم ابلاه** ؟ اور اس نے اپنے جسم کو کس چیز میں بوسیدہ کیا؟۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے ''**اغتنم شبابك قبل هرمك**'' جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانو۔ جوانی کے اوقات سب سے قیمتی اور کریم مانے جاتے ہیں۔ جوانی کا مرحلہ سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ نعمت سے کم نہیں ہے۔ جب یہ جوانی یونہی بغیر مقصد کے گزر جاتی ہے تو انسان کو سوائے پشیمانی اور رسوائی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے۔ اس لیے جوانی کے قیمتی اوقات کی قدر کرنی چاہئے اور اس کے شب و روز کو غنیمت تصور کرنا چاہئے یہی وہ وقت ہے جس میں انسان اپنے آپ کو اس تناور درخت کی طرح سنوار لیتا ہے جس کی شاخیں، پتیاں موسم خریف میں کھلکھلا اٹھتی ہیں اور روحانی اور جسمانی اعتبار سے پختہ، مضبوط اور ثمر آور ہو جاتی ہیں۔

وقت بہت بڑی نعمت ہے۔ جس نے وقت کو غنیمت نہیں جانا اس نے اپنی زندگی کو گنوا دیا۔ اپنے آپ کو خیر کثیر سے محروم کر دیا اور دنیا و آخرت کا گھاٹا مول لیا۔ لہذا مسلمان امت کو چاہئے کہ فارغ اوقات کو غنیمت جانے، اس کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنائے۔ اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرے، گزرے ہوئے وقت سے سبق لے، سابقہ حالات سے عبرت حاصل کرے، قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے اوقات گزارنے کے ساتھ ساتھ تدبر و تفکر سے کام لے اور دنیا کی زیب و زینت اور اس کے مکر و فریب سے ہمیشہ اپنے آپ کو ہوشیار رکھے۔ دنیا دار الابتلاء ہے۔ آزمائش کی آماجگاہ ہے 'جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے' کے مصداق ہے۔ لہذا موجودہ دور کے ان روشن خیال اور من چلے لوگوں کے افکار و نظریات سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا بیحد ضروری ہے جو اپنے فارغ اوقات کو مشغول کرنے کے لیے مختلف قسم کے بیہودہ کاموں کا سہارا لیتے ہیں اور اپنی زندگی ضائع و برباد کرتے ہیں اور اس کی دلفریب لذتوں میں پھنس کر اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اس کو دل کا سکون اور جگر کا سرور تصور کرتے ہیں۔ جبکہ اس کو پتا ہونا چاہئے کہ اوقات کو صحیح جگہ استعمال کرنے سے ہی دل کو قرار و سکون نصیب ہوتا ہے۔ ہماری شریعت نے اوقات کو مشغول کرنے کا بہترین نسخہ عطا فرمایا ہے، اس پر ہمیں عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرور ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وقت جیسی عظیم نعمت کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری میں لگانے اور دنیا جہان کی فضولیات اور لہو ولعب سے اجتناب و پرہیز کرنے کی توفیق ارزانی بخشے۔ آمین

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

شکر باعث ازیاد نعمت

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار، لاتحصی ولاتعداد اور ناپیدا کنار ہیں جو حضرت انسان خصوصا مسلمان پر نچھاور کردی گئی ہیں۔ مال و دولت انسانوں پر اس قدر لٹادی گئی ہے کہ اس کی بھی کوئی گنتی ممکن نہیں ہے۔ خود اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ ”وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا“ (ابراھیم:۳۴) ”اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے“۔ اگر دنیا جہاں کے اشجار اقلام میں تبدیل کردیئے جائیں اور سارے سمندر اور ان کے مثل اور بھی بحار و انہار اور مواد سیال و سیلاب سب کے سب سیاہی ہوجائیں پھر بھی رب کی نعمتوں کو لکھنا چاہیں تو وہ کلمات ہی ختم نہ ہوں گے چہ جائیکہ رحمان کے محیر العقول کارنامے، کارخانے، مصانع اور ان کے کل پرزوں کو شمار کیا جاسکے اور ان کا حق ادا ہوسکے۔ "لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا" (الکہف:۱۰۹) ”اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد لے آئیں“۔

”وَلَوْاَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ“ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ“ حَکِیْمٌ““ (لقمان:۲۷) روئے زمین کے (تمام) درختوں کی اگر قلمیں ہوجائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوسکتے، بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور باحکمت ہے“۔ جب حقیقت حال اور مآل کار ایسا ہے کہ ان نعمتوں اور دولتوں کو کسی کمپیوٹر اور کیلکولیٹر کے ذریعہ میتھمیٹکس کے ماہرین اور علوم الحساب والریاضیات کے حاذقین گن نہیں سکتے تو پھر حضرت انسان کو نعمتوں کی شکرگزاری کا حکم کیوں دیا گیا؟ اور ان کو کیوں کر

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی

مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
اسلام میں انسانی حقوق کا تصور اور تحفظ	۶
قبولیت دعا مگر کیسے	۱۲
علماء سے برتاؤ کے ضابطے	۱۴
سنیچر کے دن روزہ رکھنے کا مسئلہ	۱۶
اے بلادِ حرم (نظم)	۱۸
بدعت کے برے نتائج	۱۹
اشیاء خوردنی میں ملاوٹ- دور جدید کا ایک سنگین مسئلہ	۲۱
شاہ سعود بن عبدالعزیز کا ۱۷/روزہ تاریخی دورۂ ہند	۲۲
سعودی عرب کا تعلیمی سفر	۲۶
حافظ وڈاکٹر عبدالحئی مدنی رحمہ اللہ	۲۸
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۳۰
جماعتی خبر	۳۰
اشتہار اہل حدیث منزل	۳۱
تعاون کی اپیل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک

سالانہ ____ ۱۵۰/روپے

فی شمارہ ____ ۷/روپے

پاکستان ____ ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

ویب سائٹ www.ahlehadees.org

ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com

جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

مکلّف کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کے شکر گزار بندے بنیں اور اپنے والدین واساتذہ اورخویش واقارب سمیت سب کا شکریہ ادا کریں؟

تو جاننا چاہیے کہ قران وحدیث کے اندر اس کی کئی وجوہات اور حکمتیں بیان ہوئی ہیں۔منجملہ ان وجوہات وحکم میں سے یہ بھی ہے کہ نعمتوں کی شکر گزاری سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا حاصل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ شکر گزار بندے سے راضی اور حد درجہ خوش ہوتا ہے اور یہ رضوان وخوش نودی بندے کی دنیوی و اخروی سعادت وکامرانی کی معراج ہے۔فرمایا ”وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُم “(الزمر:۷)”اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا“۔

شکر گزار بندہ دنیوی زندگی میں امن وسلامتی کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے اور اخروی زندگی میں اللہ کی پکڑ اور عذاب سے محفوظ ہوجاتا ہے۔آج دنیا مختلف قسم کی ابتلاؤں وآزمائشوں اور طرح طرح کی آفات وبلیات سے اس لیے دوچار ہے کہ حضرتِ انسان سے اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے۔انسان اپنے نعمتوں سے نوازنے والے پروردگار کو بھلا بیٹھا ہے اور اپنے افکار وخیالات اور عمل وکردار کے ذریعہ کفران نعمت کا مرتکب ہورہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امن وشانتی سماج ومعاشرے سے غائب ہوتی جارہی ہے۔اس لیے سماج ومعاشرہ میں جذبۂ شکر گزاری کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے بلکہ پرامن زندگی گزارنے کے لیے پہلے شکر گزاری کا خوگر بننا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:”مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُم وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا “(النساء:۱۴۷)”اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور باایمان رہو اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے“۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ اپنے شکر گزار اور مومن بندے کو مبتلائے عذاب نہیں کرے گا۔

جذبہ شکر گزاری ازدیادِ نعمت کا سبب ہے۔اس سے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے جب کہ ناشکری انسان کو مبتلائے عذاب کرتی ہے اور وہ ایک دن دنیوی زندگی میں ہی سامان عبرت بن کر رہ جاتا ہے۔”وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْد “”(ابراہیم:۷)”اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کردیا کہ اگر تم شکر گزاری کروگے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ بعض سلف سے منقول ہے کہ نعمتیں وحشی جانور کی طرح ہیں ان کو شکر کی رسی سے قابو میں رکھو۔اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندے کو آخرت میں اجر جزیل اور نیک بدلے سے نوازے گا۔فرمایا:”وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْن “(آل عمران:۱۴۴)”عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا“،”وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ “(آل عمران:۱۴۵)”اور احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے“۔

حضرت کعب الاحبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی نعمت سے نوازتا ہے اور وہ اس نعمت پر اپنے رب کی شکر گزاری کرتا ہے اور تواضع وخاکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو دنیا میں ثمرات وبرکات سے نوازتا ہے اور اخروی زندگی میں اس کا مقام ومرتبہ بلند فرمائے گا۔لیکن اس کے برعکس اگر کسی بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی کسی نعمت سے نوازتا ہے اور وہ اس نعمت پر اپنے رب کا شکریہ ادا نہیں کرتا اور نہ اللہ کے سامنے تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس نعمت کے ثمرات وفوائد سے محروم کردیتا ہے اور آخرت میں اس کے لیے جہنم کے دروازے کھول دیگا جس میں وہ عذاب دیا جائے گا۔

معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کے ان گنت دنیوی واُخروی ثمرات وفوائد ہیں۔اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ اس کی نعمتوں سے مزید شادکام اور بہرہ ور ہوتا رہے،اس کے اوپر سعادتوں اور برکات کی مسلسل برکھا ہوتی رہے اور اس کا شمار مومن خالص میں ہوتا رہے۔جذبہ شکر گزاری بندہ مومن کی امتیازی صفت اور مکارم اخلاق میں سے ہے۔عبد شکور متکبر نہیں ہوگا۔گھمنڈی نہیں ہوگا۔مبتلائے غرور وپندار نہیں ہوگا۔کسی کی حق تلفی کرنے والا اور ظلم وناانصافی کو روا رکھنے والا نہیں ہوگا۔وہ فروتن ہوگا،منکسر المزاج ہوگا،خاشع

وخاضع ہوگا۔ امن پسند ہوگا۔ فتنہ پرداز اور فسادی نہیں ہوگا۔ روئے زمین پر حق وانصاف کا علمبردار ہوگا۔ آج دنیا کے اندر نابرابری، استحصال، ظلم وجبر، رشوت و خودغرضی اس وجہ سے ہے کہ اس کے باشندوں نے کفرانِ نعمت کی روش اختیار کر کے متاع غرور کا سودا کرلیا ہے۔

آج ملک وسماج میں کفران نعمت کی مختلف شکلیں رائج ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی شکلوں کو کفران نعمت ہی تصور نہیں کیا جاتا۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس کا حق تو یہ تھا کہ ہم اپنی نمازیں، اپنی قربانیاں، اپنی نذر ونیاز، اپنا جینا اور اپنا مرنا اس الہ واحد کے لیے مختص ومخلص کرتے، اسی کے آگے جبین نیاز خم کرتے۔ اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتے۔ ان کی خدمت کر کے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرتے۔ لیکن کیا ایسا ہو رہا ہے؟ اوروں کو تو چھوڑیئے کیا مسلمان امت اس انبیائی منہج اور منوال الٰہی پر گامزن ہے؟

ہمارا تو حال یہ ہے کہ بقول حالی:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پہ بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پہ کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

مومن بندے کا دل وزبان ہر پل اور ہر لمحہ جذبہ شکر سے معمور ولبریز ہوتا ہے۔ وہ اگر فراخی وکشادگی میں رب کا شکر بجالاتا ہے تو شدت وتنگی میں بھی وہ اپنے رب کی نعمتوں کو فراموش نہیں کرتا۔ ہر حال میں صبر وشکر کا دامن تھامے رہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''**عجبا لا مر المومن ان امره كله له خير ليس ذلك لا حد الا للمومن، ان اصابته سراء شكر فكان له خيرا له وان اصابته ضراء صبر فكان خيرا له**''(مسلم)

مومن کا بھی عجب حال ہیکہ اس کو ہر حال میں خیر ہی خیر حاصل ہے جو مومن کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہے۔ اگر اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ اس کا شکر بجالاتا ہے اس میں بھی اس کے لیے خیر وثواب ہے۔ اور اگر اس کو نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس پر بھی صبر کرتا ہے۔ اس میں بھی اس کے لیے خیر وثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان اپنے بھائی بندوں کا بھی شکریہ ادا کرے۔ اگر کسی نے کسی پر احسان کیا ہے تو اس کا احسان ماننا چاہئے کیوں کہ یہ اس کا حق ہے۔ شریعت مطہرہ میں بندوں کی شکر گزاری کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کو منعم اعلیٰ اللہ رب العزت کی شکر گزاری سے جوڑ دیا گیا ہے کہ کوئی بندہ اپنے رب کا صحیح معنوں میں شکر گزار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ لوگوں کی سپاس گزاری نہیں کرتا ہے۔ فرمایا: ''**من لم يشكر الناس لم يشكر الله**''(الترمذی)

اس لیے اگر ہم پرامن وخوشگوار زندگی گزرنا چاہتے ہیں، آزمائش کی بھٹی سے بچنا چاہتے ہیں، مزید نعمتوں میں کھیلنا چاہتے ہیں، اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں اور آخرت میں اجر جزیل سے نوازے جانے کے متمنی ہیں تو ہمیں اپنے خالق وپالنہار، دین فطرت کی شکل میں ہدایت دینے والے، خیر وشر کی تمیز عطا کرنے والے اور دنیا وآخرت کی نعمتوں سے نوازنے والے اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کے گن گان کرنا چاہئے۔ اس کی عطا کردہ دنیوی نعمتیں جو کہ عارضی ہیں کی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقی نعمتوں، ایمان وعمل صالح اور صبر وشکر کی توفیق بخشی وغیرہ پر بھی اس کا شکر بجالانا چاہئے، اس کے بندوں کا احسان مند ہونا چاہئے، اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی وسعادت مضمر ہے اور اسی میں دنیا کی ہر مصیبت ومشکلات کا حل موجود ہے۔ اور ہم شکر وصبر کی روش پر چل کر ہی دنیوی واخروی نعمتوں سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔

☆☆☆

اسلام میں انسانی حقوق کا تصور اور تحفظ

مولانا عزیز احمد مدنی
استاذ المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ، اوکھلا، نئی دہلی

آج دنیا میں بہت سے ادیان و مذاہب پائے جاتے ہیں، ان میں ایک اہم دین و مذہب اسلام ہے۔ یہ ایک آفاقی معتدل و پسندیدہ دین و مذہب ہے۔ امن وسلامتی کا ضامن، الفت ومحبت کا گہوارہ اور رحمت ورأفت کا سرچشمہ ہے۔ اس کا نظام وقانون پوری انسانیت کی مصالح سے بھرپور اور ہر زمان ومکان کے لئے ہے۔ یہ قانون خالق کائنات کا ایک عطیہ ہے۔ جو پوری انسانیت کو عطا کیا گیا، جس کی روشنی اور رہنمائی میں وہ ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کرکے ایک پرامن زندگی گذار سکتی ہے۔ اس نظام میں نہ کوئی کمی ہے نہ بھید بھاؤ۔ یہ وضعی قوانین اور طاغوتی نظام سے بہت مختلف اور اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ آسمانی والہامی نظام اور ابدی قانون ہے۔ جو تاقیامت باقی ودائم رہے گا۔ کیونکہ یہ الٰہی وقدرتی نظام ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المائدہ:۵۰)

دنیا کی ہر ریاست اور ملک کے اپنے وضع کردہ قوانین ہیں، یہ وضعی قوانین دنیا کے قانون سازوں کے مرتب کردہ ہیں، یہ قوانین ان کی ذہنی اختراع اور فکری خیالات کا مرقع ہوتے ہیں۔ جس میں عدل واعتدال کی کوئی رعایت نہیں، بلکہ ذاتی مفاد ومصالح، طاقت وقوت، ثروت وسطوت، جبر واستبداد کے عناصر کے ساتھ بہت سی بے اعتدالیوں اور مختلف قسم کے معیار کی بھرمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پورے عالم میں انتشار برپا ہے۔ بڑی عالمی طاقتیں اپنے سے کمزور ممالک اور ان کے باشندگان پر اپنے جائز وناجائز اور غلط فیصلے تھوپتی رہتی ہیں، اور انسانی ہمدردی کے نام پر جفا کرتی ہیں۔ حقوق انسانیت اور تحفظ انسانیت کی علمبردار نام نہاد تنظیمیں گرچہ اپنے مشن میں کوشاں ہیں۔ لیکن تحفظ انسانیت کے ان کے دعوے کھوکھلے ثابت ہورہے ہیں جس کا ایک عالم شاہد ہے۔

شرعی اور فطری حقوق: قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بخوبی آشکار ہوجاتا ہے کہ اسلامی شریعت نے انسان پر بہت سے حقوق عائد اور مقرر کئے ہیں، جنھیں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ کا حق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق، والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، اقرباء کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، غرباء ومساکین اور ایتام وایامیٰ کے حقوق، زوجین کے حقوق، حاکم ورعایا کے حقوق، عام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق وغیرہ۔ ان مذکورہ حقوق کی دانست ومعرفت کے لئے سورہ نساء آیت نمبر ۳۶، سورہ انعام آیت نمبر ۱۵۱-۱۵۳ اور سورہ اسراء آیت نمبر ۲۴-۳۹ کا مراجعہ کیا جائے اور دیدۂ بصیرت سے غور کیا جائے تو حقوق کی حقیقت منکشف اور واضح ہوجائے گی اور اسلام میں انسانی حقوق کا تصور بالکل عیاں اور نمایاں ہوجائے گا۔

اہل علم نے سورۂ نساء کی آیت کو ''آیت حقوق عشرہ'' سورہ انعام اور سورہ اسراء کی آیات کو ''وصایا عشر'' سے موسوم کیا ہے۔ یہ آیتیں ایک بہترین صالح معاشرہ اور سماج کی تشکیل وتطویر اور اس کی تطہیر وپاکیزگی کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہیں اور انسان کو پرسکون، پرامن اور پاکیزہ زندگی گذارنے کا سلیقہ وطریقہ اور سبق دیتی ہیں۔

حقوق انسانی ایک نظریہ: مذکورہ بالا حقوق شرعی اور فطری ہیں۔ البتہ حقوق انسانی کی اصطلاح اور تعبیر مغرب کی ایک جدید اصطلاح ہے جسے "Human Rights" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نظریہ ہے۔ جس کا تصور مغرب کی تاریخ میں بھی جدید ہے۔ دوتین صدی سے پیشتر اس کا تصور ان کے یہاں نہیں ملتا۔ جبکہ اسلام نے چودہ سو سال سے پہلے ہی انسانیت کو اس کے حقوق سے روشناس کرایا، اور اس امت کے اولین متبعین نے اس کی بہترین عملی تطبیق کرکے دنیا کو پیغام عبرت اور نصرت وکامیابی کا درس دیا۔

حقوق انسانی کے اس نظریہ کے مطابق روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان بنیادی ضروریات اور سہولیات کے لحاظ سے یکساں طور پر حقدار ہیں۔ موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمانوں کی زبوں حالی، کسمپرسی، دین حق سے تغافل، ابتعاد اور دوری، دینی حمیت کا فقدان اور سیاسی بصیرت کی کمی، آپسی ناچاقی نیز ماضی قریب سے عالم اسلام میں برپا سیاسی شورش اور خانہ جنگی، عالمی سیاسی منظرنامے اور ان کے پروپیگنڈے نے اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو بگاڑ اور ساخت خراب کردی ہے۔ اور یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ مسلمان بے رحم، سخت جان، ظالم وخونخوار، دہشت گرد اور بدامن قوم ہیں، فساد کی جڑ ہیں۔ اور اسی کی آڑ میں کچھ ناعاقبت اندیش بدقماش لوگ یا عناصر اسلام کو بدنام کرنے کی ناروا کوششیں کررہے ہیں اور یہ کوشش تاہنوز جاری ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے ہزاروں غیر مسلم دانشور اور صحیح ومثبت فکر کے حامل سلیم القلب والفطرت انسان اسلام کو ایسی بےہودہ باتوں، عیوب واتہامات اور الزامات سے بری

وپاک سمجھتے ہیں، رسول عربیؐ کی عظمت اور اسلام کی حقانیت وسالمیت کا کھلے دل سے اعتراف اور برملا اظہار کرتے ہیں۔ اہل علم واہل دانش وبینش سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

اسلام اور انسانی حقوق: اسلام جس طرح ایک آفاقی اور معتدل مذہب ہے اسی طرح انسانی حقوق سے متعلق اس کا تصور بھی آفاقی اور یکساں نوعیت کا ہے۔ جو زمان ومکان کی تاریخی وجغرافیائی حدود سے ماوراء ہے۔ حقوق انسانی کا یہ منشور خالق کائنات کا عطا کردہ ہے اس نے یہ تصور اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے روئے زمین پر بسنے والے تمام بندوں کو عطا کئے، دنیا کے قانون سازوں کی طرف سے دیئے گئے حقوق کے برعکس یہ حقوق مستقل بالذات مقدس اور ناقابل تنسیخ ہیں، کیونکہ یہ حقوق اور احکام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت شدہ وبیان کردہ ہیں۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (النساء:۸۷) ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلاً'' (النساء:۱۲۲)

دین اسلام ایک عظیم دین ہے وہ انسان کے شرف کو نمایاں واجاگر کرتا ہے اس کے حقوق کی رعایت، اس کے مصالح کی حفاظت نیز اس کی کرامت کی صیانت اور اس کے حقوق کی محافظت کرتا ہے۔ اور اپنے اوامر ونواہی سے اس کے درجہ ورتبہ کو تفوق وبرتری سے نوازتا ہے۔ انسان کے اہم حقوق جس کی کفالت اسلام نے لے رکھی ہے۔ وہ حق احترام انسانیت، حق حیات وتحفظ جان ومال وعزت وآبرو، حق مساوات وعدل کے ساتھ حق حریت فکر ورائے بھی ہے۔ اسلام انسان کو عقیدہ وفکر کی آزادی دیتا ہے۔ اور تعصب سے پاک اندھی تقلید اور آباء واجداد کی مذموم وغلط روش سے ہٹ کر عقل سلیم وذہن ثاقب کا صحیح استعمال کرکے راہ حق کی تلاش وجستجو کی دعوت دیتا ہے۔ بلکہ اسے واجب اور ضروری قرار دیتا ہے۔

اسلام میں انسانی حقوق کی خصوصیت: اسلام میں انسانی حقوق کی خصوصیات کو نکات کی شکل میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اسلام میں انسانی حقوق کا اصل منبع عقیدہ توحید ہے۔ یہ عقیدہ ہی سارے حقوق کا اصلی مرکز اور دائرہ حریت کا سرچشمہ ہے۔

۲۔ انسانی حقوق آسمانی وربانی تحفہ ہے جسے رب العالمین نے مخلوق بالخصوص انسان کو عطا کیا ہے۔ یہ کسبی یا خلقت عطائی نہیں کہ جب چاہے سلب کرلے یا امتنان واحسان جتائے۔ بلکہ یہ حقوق اصلی وثابت ہیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔

۳۔ یہ حقوق جملہ قسم کے حقوق کو شامل ہیں۔ خواہ وہ سماجی ہوں یا ثقافی، سیاسی ہوں یا اقتصادی، انفرادی ہوں یا اجتماعی۔ اسی طرح یہ حقوق ان تمام افراد کے لئے ہیں جو اسلامی نظام کے تابع وخاضع ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی رنگ، نسل، جنس اور زبان وجغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔

۴۔ اسلام میں یہ حقوق مستقل بالذات ثابت مقدس اور ناقابل تنسیخ، تغییر وتبدیل اور تعطیل ہیں۔ کیونکہ یہ شریعت اسلامیہ کا جزء ہیں۔ یہ دین اسلام خاتم الادیان، اس کا پیغامبر اور رسول خاتم النبیین والمرسلین ہے۔ لہٰذا جو احکام وحقوق نبی خاتم علیہ السلام کے ذریعہ ثبت کردیئے گئے وہ تاقیامت باقی، جاری وساری رہیں گے۔

۵۔ اسلام کے بیان کردہ یہ حقوق مقاصد شریعت کے معارض اور فطرت سلیمہ کے معاکس نہیں، اور نہ ہی فرد وجماعت کی مصالح کے لئے مضر وضرررساں ہیں۔ بلکہ مقاصد شریعت اور فطرت سلیمہ کے عین مطابق وموافق اور فرد وجماعت کے لئے انفع ومفید ہیں۔

۶۔ اسلام نے حقوق انسانی کے صحیح نفاذ اور عملی زندگی سے مربوط کرنے کے لئے اسے فکر آخرت سے جوڑ دیا ہے تاکہ بندہ ازخود اس کی رعایت وحفاظت کی اسپرٹ اپنے اندر پیدا کرے اور خود اس کا محافظ بن جائے۔

(ماخوذ ملخص از کتاب حقوق الانسان فی الاسلام، د: سلیمان الحقیل)

اسلام اور حق احترام انسانیت: اسلام کی نگاہ میں انسان بڑا ہی مکرم ہے۔ خواہ اس کا دین وعقیدہ، مذہب وفکر کچھ بھی ہو، معاشرہ میں اس کا درجہ ومقام جو بھی ہو، انسانیت کے شرف وکرم میں تمام بنی آدم یکساں حیثیت کے حامل ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کی بہترین شکل وشباہت اور صورت میں تخلیق فرمائی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین:٤) اسے اشرف المخلوقات کے شرف سے نوازا، دنیا کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اعزاز بخشا، علم وفہم اور دانائی نیز مزید فضیلت وبرتری عطا فرمائی۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (الاسراء:۷۰) اسی پر بس نہیں، بلکہ دنیا کی تمام چیزوں کو اس کے تابع اور مسخر کرکے اس کے رتبہ ومقام کو اجاگر فرمایا: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الجاثیۃ:۱۳) تمام انسان کو ایک آدم کی اولاد بتا کر سب کو یکسانیت کا شعور دیا، اور اپنے نزدیک تقرب اور مکرم ہونے کا معیار، پیمانہ اور طریقہ بھی بتادیا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات:۱۳) پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک تاریخی ویادگاری خطبہ فرمایا، آپؐ نے اپنے اس پیغام میں انسان کی عظمت وحرمت اور انسانیت کی تکریم کی

بابت اسلام کے تصور کو خوب واضح فرمایا" یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر الا بالتقوی "(مسند احمد حدیث نمبر ۲۳۴۸۹)

اسلام کا یہ تصور احترام آدمیت اس کی حیات کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس نے پس از مرگ بھی یہ احترام باقی رکھا، چنانچہ مردہ کو غسل دینا، اچھا کفن دینا، اس کے جنازہ میں شرکت کرنا، اس کے مرقد تک نہایت ہی رفق وآرام سے لے جانا اس کی تدفین کرنا اس کی اچھائیاں بیان کرنا، شخصی عیوب پر پردہ ڈالنا اور چشم پوشی کرنا وغیرہ اسلامی اقدار وتعلیمات میں شامل ہیں اس کی تائید وتفاصیل کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔

یہ تصور احترام صرف مسلمان کے لئے خاص نہیں بلکہ یہ اقدار عام ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ کا گزر ہوا، آپ اس کے احترام میں کھڑے ہوگئے، آپ کو بتایا گیا وہ ایک یہودی کا جنازہ ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا: الیست نفسا وفی روایة ان للموت فزعا فاذا رأیتم الجنازة فقوموا (صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۳۱۲) دشمن سے معرکہ آرائی میں اس کی بے حرمتی کرنے، اس کا مثلہ کرنے سے اسلام نے منع کیا ہے۔اغزوا باسم الله ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا (سنن ترمذی حدیث نمبر ۱۴۰۸) اللہ کے نام سے غزوہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو، بدعہدی وبے وفائی نہ کرو، مثلہ نہ کرو۔خلیفہ رسولؐ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں حضر موت کے گورنر کو ایک پروانہ وصیت نامہ بھیجا، ان ہدایات میں ایک ہدایت کو انسانی حقوق کی بابت سنہرے اور جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔فرمایا: وایاك والمثلة فی الناس فانها مأثم ومنفرة۔

حق حیات وتحفظ جان: انسانی حقوق میں سے ایک حق، حق حیات وتحفظ جان ہے۔انسان کی زندگی بیش قیمت مقدس اور پاکیزہ ہے، انسان آزادانہ ماحول میں پرامن وپرسکون خوشگوار زندگی گزارنے کا حق رکھتا ہے۔اسلام نے اسے یہ حق کلی طور پر عطا کیا ہے۔چنانچہ کسی کی حق تلفی کرنا، ظلم وتعدی کرنا، اعتداء وزیادتی سے کام لینا، کسی کو ناحق قتل کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں جو روح اسلام کے منافی ہیں، اسلام اس کی قطعا اجازت نہیں دیتا، اسلام میں ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ:۳۲) اسی طرح سماج ومعاشرہ اور ریاست میں فساد وبدامنی پھیلانا، کسی کی پرسنل لائف میں بلاوجہ تدخل اور کسی کے ٹوہ اور تجسس میں پڑنا وغیرہ اسلام ایسی خوئے بد کو پسند نہیں کرتا، بلکہ پرسکون فضا قائم کرنے، معیاری اخلاق سے بھرپور الفت ومحبت اور اخوت وبھائی چارے کی زندگی گذارنے کی تعلیم دیتا وتلقین کرتا ہے۔رسول رحمت کا فرمان ہے۔المسلم اخو المسلم لایظلمه ولا یخذله ولا یحقره بحسب امرء من الشر أن یحقر اخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه (رواه مسلم:۲۵۶٤)

جان کے تحفظ میں ایک مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں دونوں کی جان کا یکساں تحفظ واحترام کیا جائے گا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من قتل نفسا معاهدا لم یرح رائحة الجنة وان ریحها لیوجد من مسیرة أربعین عاما (صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۹۱۴) جو کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا، جبکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔خلیفہ راشد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک وصیت میں فرمایا: وأوصیه بذمة الله وذمة رسوله أن یوفی لهم بعهدهم وان لا یکلفوا فوق طاقتهم (صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۳۹۲) میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول کا عہد وذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے عہد کا وفا کیا جائے ان کا دفاع کیا جائے اور ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔(دیکھیں: حضرت عمرؓ کے سیاسی نظریے: ص ۹۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی شریعت اپنے اصول واحکام کے ذریعہ عالمی امن وسلام کے پیام کے ساتھ جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت وصیانت کی ضمانت دیتی ہے۔کسی بھی وجہ سے خودکشی، تنگی معاش کے سبب اولاد کشی یا نسل کشی یا ناحق قتل کو یک لخت حرام قرار دیتی ہے اور پوری خلقت (انسان ہو یا حیوان) پر رحم وترحم کے جذبہ کو پروان چڑھاتی ہے۔ملاحظہ کریں وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء:۲۹) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام:۱۵۱) وقال النبی صلی الله علیه وسلم: الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا اهل الارض یرحمکم من فی السماء (سنن ابی داؤد حدیث ۴۹۴۱)

ان مذکورہ چند نصوص سے انسانی جان اور اس کے تحفظ کی بابت اسلام کا تصور بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔

حق تحفظ عزت وعصمت: عزت وعصمت کی حفاظت بھی انسانی حقوق میں سے ہے۔اسلام کسی بھی شہری کی توہین وتذلیل کی اجازت نہیں دیتا، کسی کی عزت پر حملہ کرنا، اس کی غیبت کرنا، تہمت لگانا، ذاتی زندگی کا تجسس کرنا، کسی کا تمسخر

کرنا، حسد کرنا، عیوب کا جویا ہونا، بدگمانی میں مبتلا ہونا جملہ خوئے بد اسلام میں ناجائز اور فاسقانہ عمل ہیں۔ یہ کسی بھی معاشرہ کے لئے ناسور اور اس کی تباہی کا سامان ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ الحجرات کی بیشتر آیات میں ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے رہنما اصول وخطوط بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اصول مردوزن سب کے لئے ہیں۔ اسی طرح یہ باتیں ایک ذمی، غیر مسلم کے حق میں بھی ایسے ہی ناجائز ہیں جیسا کہ ایک مسلمان کے حق میں، لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لئے غیر مسلم اجنبی خواتین کی طرف غلط نگاہ ڈالنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلم غیر محرم عورتوں کی طرف۔ گویا اسلامی نقطہ نظر سے مومن مردوعورت کو جس طرح عزت وآبرو کے ساتھ جینے کا حق حاصل ہے اسی طرح غیر مسلم اور دیگر طبقہ کے افراد بھی باوقار زندگی بسر کرنے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ عزت وآبرو اوروقار کا تعلق انسانی اور بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اور انسانیت میں سارے انسان برابر کے شریک ہیں۔

آج بھی عالم اسلام انہیں اسلامی اصولوں پر قائم ودائم ہے اور اپنے ممالک میں قیام پذیر جملہ باشندگان کو ہر طرح کا مکمل تحفظ دیتا ہے جبکہ دیگر بیشتر ترقی یافتہ ممالک کا حال یہ ہے کہ مسلم کمیونٹی کے لوگوں کو مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور مختلف القاب ناپسندیدہ سے نوازا جاتا ہے۔ ان کی جان ومال، عزت وآبرو کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، بھانت بھانت کے حیلے اور الزامات تراش کر ان کو ذہنی وقلبی اذیت پہنچانا، حق تلفی کرنا، اسلام وپیغمبر اسلام پر دشنام تراشی کرنا اور موب لنچنگ کے ذریعہ اظہار درندگی کرنا اور شروفساد برپا کرنا ان کا عام شیوہ بنتا جارہا ہے اور اخلاقی گراوٹ حد کو پار کرتی جارہی ہے۔ اس کے باوجود انسانیت نوازی کا دم بھرنے سے وہ تھکتے نہیں ہیں۔ الامان والحفیظ

حق تحفظ اموال: اسلام رزق حلال کی ترغیب وتلقین کرتا ہے۔ ’’كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ ‘‘(طٰہٰ:۸۱) اور جائز طریقہ سے مال کمانے اور جائداد بنانے کا حق تملیک تمام شہریوں کو دیتا ہے نیز ان اموال میں غرباء ومساکین کی رعایت کی تلقین بھی کرتا ہے ’’وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ‘‘(الذاریات:۱۹) ایسے مالوں میں نمو وبڑھوتری کی بشارت دیتا ہے۔ ’’وما نقصت مال من صدقة ‘‘ ناحق وباطل انداز سے مال کھانے سے منع کرتا ہے۔ ’’وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ‘‘(البقرہ:۱۸۸) کسی شہری کا مال ناحق اور زبردستی لینے سے منع کرتا ہے۔ اور ضرورت پر اس کی رضامندی اور خوشدلی سے لینے کی تلقین کرتا ہے۔

اسلام اور اسلامی ریاست مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کی جائداد ومال کا تحفظ کرتی ہے۔ انہیں حق ملکیت سے نہ تو بے دخل کرتی ہے اور نہ ہی زور وزبردستی قبضہ، بلکہ مسلمانوں کی طرح انہیں بھی خرید وفروخت، صنعت وحرفت اور دوسرے تمام ذرائع معاش کے حقوق حاصل ہیں، اور کسی جائز طریقہ کے بغیر کسی بھی ذمی اور غیر مسلم کا مال لینا جائز نہیں۔ ’’**الا لا تحل اموال المعاهدين الا بحقها**‘‘ (ابوداؤد: ۸۳۰۷) اسلام نے ذمیوں اور غیر مسلموں کے ایسے اموال وممتلکات کی حفاظت کی ہے جو ان کے حساب سے مال ہیں اور اسلام ومسلمانوں کی نظر میں وہ مال یعنی مال متقوم نہیں جیسے خمر وخنزیر وغیرہ۔ یہ دونوں چیزیں غیر مسلم کے اموال بلکہ نفیس اموال ہیں ان کی ملکیت میں ہو اگر کسی مسلمان نے ذمی کے ایسے مال کو تلف کر دیا تو اس کی قیمت کا تاوان وغرامہ دینا ہوگا۔ جیسا کہ فقہاء کا بیان ہے۔ دیکھیں: ’’الفروق للقرافی ۱۴/۳، (ماخوذ از مقالہ: التعامل مع غیر المسلمین فی الاسلام۔ محمد اقبال ندوی)

حق مساوات و عدل: حقوق انسانی میں ایک حق مساوات کا بھی ہے۔ یہ اسلام کے نظام اقدار کا ایک اہم مضبوط پہلو ہے۔ اسلام کی نگاہ میں تمام انسان انسانیت کے اعتبار سے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ رنگ ونسل، قوم ووطن اور زبان وخطہ وغیرہ یا کسی خاص شناخت اور امتیاز کے سبب کسی کو فوقیت دینا اسلامی تعلیم کے مغائر ہے۔ باوجودیکہ اہلیت وصلاحیت، عزائم وارادے اور دولت وثروت وغیرہ کے اعتبار سے ان میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اسلام صرف تقویٰ کی بنیاد پر امتیاز و برتری اور تفوق عطا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ’’اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ‘‘(الحجرات:۱۳) انسانی عدل ومساوات کے باب میں پیغمبر اسلام کا حجۃ الوداع کی مناسبت سے دیا گیا خطبہ ایک بہترین شاہکار اور اہم آئین ودستور کی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قول وعمل اور معاملات میں شفافیت، میانہ روی اور عدل وانصاف سے کام لینے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ’’اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ‘‘(النحل:۹۰) نیز فرمان نبوی ﷺ ہے۔ ’’تعدل بين اثنين صدقة ‘‘ (صحیح مسلم رقم حدیث:۱۰۰۹)

اسلام مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات قائم کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ ’’وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ‘‘(النساء:۵۸) بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے برسرپیکار نہ ہوں اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں مبتلا نہ ہوں، تو ان کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی اور رواداری کی ہدایت دیتا ہے۔ ’’لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ‘‘ (الممتحنہ:۸) نیز وہ شہری بنیاد پر شہری آزادی اور بنیادی حقوق میں مسلمانوں کے برابر شریک ہوں گے۔ قانون کی نظر میں سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا۔ اسلامی ریاست کی ماتحتی میں جزیہ قبول کر لینے پر ان پر وہی واجبات و ذمہ داریاں عاید ہوں

گی جو مسلمانوں پر عائد ہیں، اور وہی مراعاۃ حاصل ہوں گی جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔''فان قبلوا الذمة فاعلمهم ان لهم ماللمسلمين وعليم ما عليهم'' (نصب الرایہ للزیلعی ۴/ ۵۵)وسندہ مجہول، لم یعرف، مزید دیکھیں،''اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق۔''

حق حریت وآزادی: حقوق انسانی میں سے ایک حق حریت وآزادی بھی ہے۔ بلاشبہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ آزادی اس کا فطری حق ہے۔ اپنے اختیارات، ترجیحات، سوچ پسند وناپسند میں وہ مکمل طور پر آزاد ہے۔ اس کی آزادی سلب کرنے کا کسی کو حق نہیں، اسلام بھی انسان کی شخصی آزادی کو اہمیت دیتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس نے آزادی سے متعلق کچھ اصول وحدود متعین کیے ہیں جس کا مقصد انسانی معاشرے میں توازن قائم وبرقرار رکھنا اور بے راہ روی سے روکنا ہے۔ نیز انسان کا امتحان لینا ہے کہ وہ رضائے الٰہی اور اخروی کامیابی کے لیے ذاتی خواہشات کو ترک کرتا ہے یا نہیں، کیونکہ اسی معیار پر انسان کی حتمی سعادت وکامیابی اورشقاوت وناکامی کا راز مضمر ہے۔ البتہ اختیار مذہب میں انسان بالکل آزاد ہے۔ اس پر کوئی جبر نہیں۔ تاہم مسلمان بننے کے بعد اس کی آزادی کچھ محدود ہوجاتی ہے وہ اسلام کے ضوابط اور اخلاقی اصولوں کا پابند ہوجاتا ہے۔ حرام وحلال میں تمیز کرنے لگتا ہے۔ بلفظ دیگر اسلام انسان کی شتر بے مہار آزادی کا داعی وحامی نہیں، ایسی آزادی صرف حیوان کو حاصل ہے کہ جو چاہے، جب چاہے اور جس طرح چاہے کرے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اسلام خود کو بزور قوت وزبردستی انسان پر لاگو نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے پیروکاروں کو زور وزبردستی کی اجازت دیتا ہے۔ کہ وہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ '' (البقرہ: ۲۵۶)''وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ ''(الکہف: ۲۹) اسلام نے اسلامی ریاست میں ذمیوں غیر مسلموں کو اپنے اعتقادات پر باقی رہنے اور مذہبی شعائر کی ادائیگی کے لیے مکمل آزادی دے رکھی ہے۔ اپنے مخالفین پر ظلم وستم کو کبھی روا نہیں رکھا۔ اور نہ ہی زبردستی ان کے حقوق پر قبضہ کیا اور نہ انہیں عقیدہ ودین بدلنے کے لیے مجبور کیا۔ خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور بلاد المسلمین میں اسلامی دور اقتدار میں یہود ونصاریٰ کی عبادت گاہوں کا وجود شاہد عدل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے صلح کیا۔ ان سے صلح کی دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی ہے۔''ان لا تهدم لهم بيعة، ولا يخرج لهم قس، ولا يفتنوا عن دينهم مالم يحدثوا حدثا أو ياكلوا الربا ''(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۳۰۴۱)

یہ سماح، توسع اور وسعت اسلام کی شان ہے اس کی نظیر دنیا میں موجود ادیان و مذاہب میں نہیں ملتی۔ اسلامی تاریخ کا اسکالر تصفح بسیار کرلے۔ پر اسے یہ کہیں نہیں ملے گا کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں اپنی غیر مسلم رعایا کو کبھی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو، یا کسی کو بزور شمشیر اور طاقت کلمہ پڑھایا ہو، یا بلاسبب ان کی عبادگاہوں کو زک پہنچایا ہو اور مسمار کیا ہو۔ آیئے اس بات کی تائید اور توثیق میں چند منصف مستشرقین کے اقوال سے روشناس کراتے ہیں۔

☆ مستشرق ول ڈیورانت کہتا ہے کہ''اموی دور خلافت میں ذمیوں (یعنی مسیحی، یہودی، زرتشتی) کے ساتھ جو تسامح پایا جاتا رہا ہے مسیحی مملکت میں کہیں اس کی جھلک نہیں ملتی۔ وہ اپنے دینی ومذہبی شعائر کی ادائیگی میں آزاد تھے۔ ان کے کنائس (گرجا گھر) اور عبادت گاہیں محفوظ تھیں، مسیحی علماء و پادریوں کو مسلم علماء و حکمراں کے سامنے آزادانہ طور پر اپنی رائے رکھنے کا حق حاصل تھا۔''

☆ مستشرق تھومس آرنولد کہتا ہے:''مسلمانوں نے نصاریٰ کے معابد وکنائس کی حفاظت کی اسے کسی طرح گزند نہیں پہونچایا''۔

☆ مستشرق زیغرید ہونکہ، اپنی کتاب''شمس العرب تسطع الغرب'' میں رقمطراز ہے کہ''اسلامی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے اسلام میں داخل ہونے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا اس کے برخلاف شبہ الجزیرہ کے نصرانی حکمراں مسلمانوں کا وجود ختم کرنے کے درپے رہے۔ ان کی کتابیں نذر آتش کردیں۔ مسجدیں کنیسہ میں تبدیل کردی گئیں، ان کا موروثی اور علمی سرمایہ تباہ وبرباد کردیا گیا یہاں تک کہ اندلس میں علماء وفقہاء کی تالیف کردہ اور نسخ کردہ ہزاروں کتابیں آگ کے حوالہ کردی گئیں ان میں سے ایک کتاب کو بھی باقی نہ چھوڑا۔''

ماخوذ ومترجم۔ از مقال: التعامل مع غیر المسلمین فی الاسلام (شبکۃ الالوکۃ)

اسلام اور حقوق نسواں: انسانی حقوق میں سے ایک حق حقوق نسواں بھی ہے۔ آزادی نسواں، حقوق نسواں یہ ایک نعرہ ہے، یہ نعرہ خواتین کے لیے ایک دھوکہ ہے۔ مغربی اور یورپی تہذیب، سیاسی بازیگر اور لبرل فکر وخیال کے دلدادہ افراد مرد وخواتین اس بابت بڑا زور وشور مچاتے ہیں اور اسلام کے معاشرتی اور بعض اخلاقی اقدار ونظام پر نشانہ سادھ کر عورتوں کو حجاب میں مقید، گھر کی چہاردیواری میں محبوس، اقتصاد ومعیشت سے مجبور، تعلیم وتعلم سے محروم اور آزادی وآگہی سے دور، مردوں کے زیر نگیں تابع ومقہور وغیرہ جیسے الفاظ طعن والزامات اسلام پر عاید کرتے ہیں اور معصوم خواتین کو یہ باور کراتے ہیں کہ اسلام ان کی آزادی میں رکاوٹ ہے۔ اور خواتین کا ہمدرد بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ مختلف پروگرام کے ذریعہ ان کی دلجوئی کرتے ہیں، اور ان میں بے پردگی، بے حیائی، حیاسوزی اور آزاد خیالی کا عنصر پیدا کرکے روشن خیال اور ترقی یافتہ بناتے ہیں، مردوں کے مساوی اور شانہ بشانہ ہر فیلڈ

میں مقابلہ آرائی کی وکالت کرتے ہیں ان کی عزت افزائی کی خاطر یوم خواتین بطور یادگار مناتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں آزادی نسواں کے نام پر یہ ایک پر فریب نعرہ ہے جس کے پیچھے خاتون خانہ (جو مجسم شرافت کا نمونہ، نسل انسانی کی نجابت اور احترام و توقیر کی علامت ہے) کا استحصال، خفت، ذلت وخواری اور رسوائی اور بے عزتی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جیسا کہ نتیجہ دنیا کے سامنے عیاں ہے۔

دراصل آزاد خیالی کی یہ فکر مغربی تہذیب کی دین ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ خیال جس قدر تیزی سے سرایت کر رہا ہے قابل افسوس ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہماری سوچ اور فکر میں بے اعتدالی، دینی تعلیم اور تہذیب وثقافت سے بے اعتنائی وغفلت اور دوری، نیز عصری تعلیم وثقافت اور کلچر سے انتہائی قربت اور دلچسپی، نیز بچوں کی تربیت میں مربیان کی لاپرواہی ہے۔ جس سے ہماری نسل بظاہر تعلیم یافتہ لیکن اسلامی تعلیم وتربیت اور اخلاقی اقدار سے بالکل عاری ہوتی جا رہی ہے۔ معاشرہ کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ باہم مل کر اس کا مداوا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ کسی انگریز جنرل نے کہا تھا کہ ”مسلمانوں کی روزی عصری وانگریزی تعلیم سے جوڑ دی جائے تو یہ کچھ دنوں میں بظاہر مسلمان اور حقیقت میں ہمارے اپنے لوگ ہو جائیں گے“، موجودہ ماحول میں اس کا یہ قول مبنی برحقیقت ثابت ہو رہا ہے۔

عورت اسلام کی نظر میں: اسلام میں عورتوں کے حقوق سے متعلق بحث طوالت کا موجب ہے۔ یہاں اجمالی طور پر صرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام نے چودہ سو سال پیشتر جو حقوق خواتین کو عطا کیے ہیں دنیا کی کوئی تہذیب اور ادارہ آج تک نہ دے سکا۔ اسلام نے اسے حیات بخشی، بحیثیت انسان مرد وعورت میں کوئی تفاوت نہیں کیا، دونوں اشرف المخلوقات ہیں۔ بلکہ عورت قدرت کی ایک صناعی اور بیش بہا نعمت ہے اور اسلام عورت کے لیے سراپا رحمت ہے۔ اس نے عورت کو ہر حیثیت سے ایک منفرد مقام، رتبہ ومرتبہ، جامع وپاکیزہ تصور دیا ہے۔ بیوی ہے تو گھر کی ملکہ، بیٹی ہے تو والدین کے لیے رحمت اور نعمت، بہن ہے تو پرورش و پرداخت کرنے والے بھائی کے لیے جنت کی بشارت اور اگر ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت ہے۔

اسی طرح اسلام نے اس کی فطری حالت، ساخت اور صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے قومی وملی زندگی میں ذمہ داریاں بھی سونپی ہے۔ تعلیمی، تمدنی، معاشرتی، معاشی حقوق اور اختیارات بھی اس کے حق میں مقرر اور واضح کیے ہیں۔ معیشت کی فکر سے مکمل آزاد، شرم وحیا اور عفت وعصمت کا پیکر بن کر ناموس کی صیانت کرنا، خاوند کے مال کی حفاظت اور بچوں کی اچھی ودینی پرورش کرنا اس کی عظیم شان قرار دیا۔ مردوں کو ”وعاشروهن بالمعروف“ استوصوا بالنساء خيرا“ ”اكمل المومنين ایمانا واحسنهم خلقا الطفهم لأهله “ وغیرہ جیسے فرامین سے ان کے ساتھ حسن معاشرت اور شفقت ومحبت کا برتاؤ کر کے ان کی دلجوئی کی تاکید کی۔ مرد وزن کے حقوق واختیارات اس قدر واضح کر دیے کہ اگر دونوں فریق اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر ایمانداری اور اعتدال سے کام لیں تو ان کی زندگی میں کبھی اضمحلال نہ آئے گا اور انسانی معاشرہ پاکیزہ، خوشحال اور مامون بن سکتا ہے۔ (ماخوذ ملخصا از حقوق نسواں اور اسلامی تعلیمات، مولانا اسرار الحق قاسمیؒ)

غیر مسلم مفکرین کا اعتراف حقیقت: بہت سے غیر مسلم مفکرین بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اسلام ہی خواتین کا نجات دہندہ اور حقوق نسواں کا پاسدار ومحافظ ہے۔ اسلام نے عورت کو تمام معاشی ومعاشرتی اور اخلاقی حقوق دیے ہیں جن کا تصور قبل از اسلام بعید از قیاس تھا۔ چنانچہ ”ہملٹن“ نامی مفکر لکھتا ہے کہ ”اسلام کے احکام عورتوں کے بارے میں نہایت واضح ہیں اس نے عورتوں کو ہر اس چیز سے بچانے کی کوشش کی ہے جو عورتوں کے لیے باعث تکلیف اور ان کے ناموس پر دھبہ لگائے۔ اسلام میں حجاب (پردہ) کا دائرہ اتنا تنگ نہیں جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ عین حیا اور غیرت ووقار کا تقاضہ ہے۔“

ایک دوسرا مفکر ”ڈبلیو لائٹر“ لکھتا ہے کہ عورت کو جو تکریم اور عزت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہ مغربی معاشرے اور دوسرے مذاہب اسے کبھی نہیں دے سکتے۔

تیسرا مفکر ’ڈبلیو ڈبلیو کیش‘ کہتا ہے کہ ”اسلام نے عورتوں کو پہلی بار انسانی حقوق دیئے اور انہیں طلاق کا حق دیا۔ اور ’ای بلائیڈن‘ لکھتے ہیں کہ ”سچا اور اصلی اسلام جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اس نے طبقہ خواتین کو وہ حقوق عطا کیے جو اس سے پہلے اس طبقہ کو پوری انسانی تاریخ میں نصیب نہیں ہوئے۔“ (ماخوذ از مقالہ: تنویر خالد قاسمی، اسلام میں عورتوں کے حقوق غیروں کی نظر میں)

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہمارا معاشرہ اسلامی تعلیمات سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے اندر بے شمار خرابیاں جنم لے چکی ہیں۔ اور بہت سے بدباطن لوگ مسلمانوں کی ان عملی خامیوں کو اسلام سے جوڑ کر دیکھتے ہیں اور اسے اسلام کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلم معاشرہ میں مسلمان اپنے اپنے اختیارات کے حوالے سے اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، اور دوسروں کو اس کی تلقین کریں۔ اس طرح ہمارے معاشرے میں پیدا شدہ افراط وتفریط کا خاتمہ ہوگا۔ اور دوسرے لوگ اس طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اسلام کا نام مزید روشن ہوگا اور مسلمانوں کے تئیں بدگمانی کم ہوگی۔

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

قبولیت دعا مگر کیسے

مولانا خورشید عالم مدنی
پھلواری شریف، پٹنہ

قارئین کرام! انسانی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب کے فضل وکرم کا محتاج ہے۔ اگر اس کا فضل شامل حال نہ ہوتو ہمارے دل دھڑک سکتے ہیں اور نہ ہمارے جسم کی رگوں میں خون دوڑ سکتے ہیں۔ اس لیے اس مالک الملک سے فضل وکرم کا سوال کرنا، اسی کے سامنے دست دعا بلند کرنا، اپنی جھولی پھیلانا اور مرادیں مانگنا یہ شان عبادت اور تقاضائے عبودیت ہے۔ اور اس مجیب الدعوات ہستی کا ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے نواز دیا جانا ہمارے لیے عین سعادت ہے، خوش بختی ہے، گراں قدر اعزاز ہے۔ لیکن اس سعادت کے حصول کے کچھ آداب ہیں اور شرائط بھی، مطالبے ہیں اور تقاضے بھی، سلیقے ہیں اور ضابطے بھی۔ جب ہم ان تقاضوں کی تکمیل کریں گے اور قبولیت دعا کے بنیادی شرائط کو دل و جان سے قبول کریں گے تو یقین مانیں ہماری ضرورتیں، حسرتیں اور تمنائیں الفاظ کے قالب میں ڈھل کر لباس دعا زیب تن کریں گی، دربار الٰہی سے قبولیت ان کا استقبال کرے گی اور ہماری تمام جائز مانگیں، پاکیزہ مطالبات شرف قبولیت سے نواز دی جائیں گی۔

آیئے! ہم اُن اسباب کو دیکھیں اور اُن مطلوبہ شرائط کو جانیں، اُن charaterias اور معیار کو سمجھیں جو میری اور آپ کی دعاؤں کی قبولیت کا مدار ومحور ہیں، جب تک ہم اسے نہیں جانے اور پہچانیں گے اس وقت تک ہمارے عزائم و منصوبے مکمّل نہیں ہوں گے، دنیا وآخرت کی فلاح وکامرانی پر مبنی ہماری التجائیں نہیں سنی جائیں گی اور ہمارے خواب منگیری لال کے سپنے بن کر رہ جائیں گے۔

ہمیں اس حقیقت کا ادراک وشعور ہونا چاہیے کہ دعا عبادت کی ایک قسم ہے اور اس کا ایک جزء ہے۔ اور ہماری ہر قسم کی عبادتوں کا مستحق صرف اللہ سبحانہ وتعالی ہے۔ اس لئے دعا کی قبولیت کے لئے سب سے اہم اور ضروری شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالی کو اپنا حقیقی معبود سمجھتے ہوئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرے یعنی وہ اپنی دعاؤں میں اخلاص پیدا کرے۔ وہ کسی اور در پر اپنی جھولی نہ پھیلائے اور نہ کسی مخلوق کے سامنے دامن دراز کرے۔ چونکہ اس اللہ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں اور اس کے علاوہ کوئی دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا نہیں ہے۔ یہ بڑا خطرناک عمل ہے بلکہ توہین انسانیت ہے کہ انسان اللہ عظیم کو چھوڑ کر غیروں کے در پر جبہ سائی کرے یا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرلے۔ قرآن اس سے منع کرتا ہے اور غیر اللہ کی مجبوری اور لاچاری کو مؤثر انداز میں بیان کرتا ہے **وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ** (احقاف:5)" اور اس آدمی سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے بجائے ان معبودوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ سن سکیں گے۔ اور وہ ان کی فریاد و پکار سے یکسر غافل ہیں"۔

قبولیت دعا کے لئے اخلاص کی شرط کے ساتھ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دعا سنت رسول کے مطابق ہو۔ واضح رہے کہ تمام اعمال کی قبولیت کی دو شرطیں ہیں "اخلاص اور پیروی سنت" جیسا کہ قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں "دین اللہ اخلصه و اصوبه یعنی "اگر عمل خالص ہے لیکن وہ صواب یعنی موافق سنت نہیں ہے تو ایسا عمل مقبول نہیں۔ اسی طرح اگر وہ عمل موافقِ سنت تو ہے لیکن وہ خالص اللہ کے لئے نہیں ہے تو وہ بھی مقبول نہیں"۔ اور اس کی تائید اس آیت قرآنی سے ہوتی ہے **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا** (الکہف:110)" تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"۔

یہی وجہ ہے کہ تمام عبادتوں کی طرح دعا واذکار کی تمام تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا ہے کہ صبح وشام میں، نمازوں میں، نمازوں کے بعد، مسجد میں دخول وخروج، سونے اور بیدار ہونے، کھانے سے پہلے اور بعد میں، سواری پر سوار ہوتے وقت، کسی محبوب ومبغوض چیز کو دیکھنے، مصیبت کے وقت اور تمام احوال ومختلف اوقات میں کون سی دعا کرنی چاہیے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے اذکار وادعیہ پر مشتمل کتابیں تالیف کی ہیں۔ جیسے امام ابو القاسم طبرانیؒ نے "الدعاء"، امام نوویؒ نے "اذکار"، امام ابن تیمیہؒ نے "الکلم الطیب" اور ابن القیمؒ نے "الوابل الصیب" لکھی ہیں۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مشروع دعاؤں کا التزام کریں اور خود ساختہ و خانہ ساز دعاؤں سے اجتناب کریں۔

دعاؤں کے باب میں موافق سنت دعائیں مانگنے کی کتنی اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انداز وعمل سے لگائیں، جسے ابن عباس بیان کرتے ہیں **ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم هذا الدعاء كما يعلمهم السورة من القرآن اللهم انى اعوذبک من عذاب جهنم واعوذبک من عذاب القبر واعوذبک من فتنة المسيح الدجال واعوذبک من فتنة المحيا والممات** (مسلم عن ابن عباس:590) یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو یہ دعاء اس طرح سکھلاتے تھے جس طرح انہیں قرآن سکھلاتے تھے۔ اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنوں سے"۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن جابر دعاء استخارہ سے متعلق فرماتے ہیں **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة فى الامور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن** (بخاری عن ابن جابر:6382) کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو استخارہ کی دعا اس طرح سکھلاتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورت سکھلایا کرتے تھے"۔

اس زمانے میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ جب ان کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو وہ دعا مانگنا ہی چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ وہ اللہ کا شکوہ گلہ بھی شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ قبولیت دعا کے کچھ شرائط بھی ہیں۔ جب وہ شرائط پورے ہوں گے تو آپ کی مراد پوری ہوگی اور آپ کی دعا بھی قبول کی جائے گی۔ ان میں اہم ترین شرط اکل حلال ہے۔ یہ ایسا پیمانہ ہے جس پر بڑے بڑے پورا نہیں اتریں گے۔

یاد رکھیں! شریعت کی نگاہ میں کسی شخص کا کوئی نیک عمل اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ حرام کاری اور حرام خوری سے مکمل اجتناب نہ کرے۔ اور دعا بھی چونکہ ایک نیک عمل ہے، اس لیے یہ بھی اسی صورت میں قبول ہوگی جب دعا کرنے والا فعل حرام سے اجتناب کرے اور حلال کھانے پینے کا اہتمام کرے۔ ہمیں دعا کرنے سے پہلے اس کڑی شرط کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور اپنی کمائی، اکل وشرب کی پاکیزگی کا جائزہ لینا چاہیے پھر اپنی دعاؤں کی عدم قبولیت کا رونا رونا چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگو! اللہ تعالی پاکیزہ ہے اور پاکیزہ ہی قبول فرماتا ہے۔" اور اللہ تعالی نے مومنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا۔ چنانچہ فرمایا يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (مومنون:51) "اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ بے شک تم جو بھی عمل کرتے ہو میں اسے جانتا ہوں"۔ اور مومنین کو بھی حکم دیتے ہوئے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (بقرہ:172) "اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ"۔ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا تذکرہ فرمایا کہ "ایک آدمی لمبا سفر طے کرتا ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، چہرہ خاک آلود ہے اور وہ (بیت اللہ پہنچ کر) ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے: یارب! یارب! حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے اور حرام سے اس کی پرورش ہوئی، تو پھر اللہ تعالی اس کی دعا کو کیسے قبول کرے"۔ (مسلم:1015)

اس حدیث میں قبولیت دعا کے چار اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

1) سفر طویل ہو تو مسافر کی دعا مقبول ہوتی ہے۔
2) دعا کرنے والا متواضع ہو
3) دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہو
4) الحاح وزاری کے ساتھ اللہ کی ربوبیت کا ذکر کرتے ہوئے یارب یارب کہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مستجاب الدعوات تھے اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی دعائیں کیوں قبول کی جاتی ہیں؟ تو انہوں نے اپنے اکل حلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ما رفعت الی فمی لقمة الا وانا عالم من این مجيئها ومن این خرجت (ابن رجب فی، جامع العلوم والحکم) "میں جب بھی اپنے منہ میں کوئی لقمہ ڈالتا ہوں تو میں یہ جانتا ہوں کہ یہ لقمہ میں نے کہاں سے حاصل کیا ہے"۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "حرام کھانے سے دعا کی قوت ختم ہو جاتی ہے اور دعا میں کمزوری آجاتی ہے"۔

آج ہم بہت پریشان ہیں۔ زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم ہو رہے ہیں۔ ہمارے ظاہری اسباب و وسائل ناکام ہو رہے ہیں۔ روحانی وجسمانی امراض میں گرفتار ہیں۔ اور سارے دنیاوی سہارے ٹوٹ رہے ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تنہائی، بے بسی اور بے کسی کے احساس میں مبتلا ہیں۔ کل کیا ہو جائے گا اندیشۂ فردا نے ہمیں مضطرب کر دیا ہے۔ لیکن ہمیں ناامید نہیں ہونا ہے اور کسی قسم کے وساوس اور اندیشے میں مبتلا نہیں ہونا ہے۔ ایک بڑی قوت والی ذات ہے، ایک مضبوط سہارا اب بھی موجود ہے اور ایک وسیع دروازہ اب بھی کھلا ہے، جہاں ہم اپنے دکھ سکھ اور مصائب وآلام کی داستان بیان کر سکتے ہیں اور زخمہائے دل کی ہر ٹیس کو شیئر کر سکتے ہیں۔

ان ہی غم کی گھٹاؤں سے خوشنما کا چاند نکلے گا
اندھیری رات کے پردے میں دن کی روشنی بھی ہے

اور وہ ذات حی وقیوم ہے، وہ درغافر الذنب وقابل التوب کی ہے۔ ذرا سنیں وہ کیا فرمارہے ہیں اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (نمل:62) "بھلا کون ہے جو بیقرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارے، اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے (اور کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو"۔

اس لئے جب کبھی مسائل کے دلدل میں ہچکولے کھانے لگیں، آفتوں کے بادل گرجنے لگے، مصائب کی بجلیاں چمکنے لگیں تو اپنے قادر مطلق رب کی طرف پلٹیں، اسی کی تعریف کریں، اسی سے استغفار کریں اور نجات ورستگاری کی بھیک مانگیں۔ وہ ہماری دعاؤں کو سنے گا اور پرابلم کو حل کرے گا۔ کیا اس نے یہ وعدہ نہیں کیا ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (بقرہ:186) "اور (اے نبی) اگر آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے"۔ اور عقیدہ توحید سے سرشار ہو کر، اپنے رب کا مکمل فرماں بردار بن کر، عاجزی وانکساری کے ساتھ، التجا کر کے اور پکار کر اس کی شان کریمی اور عظیم مہربانی تو دیکھیں، وہ ہماری فریاد سننے اور ہماری ضرورت پوری کرنے ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ صحیح بخاری (6321) کی روایت ہے "ہمارا رب تبارک وتعالی ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس وقت جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اور فرماتا ہے کون ہے، جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے، جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے دوں۔ کون ہے، جو مجھ سے بخشش طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں"۔

کوئی چارا نہیں دعا کے سوا
کوئی سنتا نہیں خدا کے سوا

(حفیظ جالندھری)

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

علماء سے برتاؤ کے ضابطے

مولانا عبدالمنان شکراوی

علم کی فضیلت اور علماء کے مرتبے سے کوئی بھی مسلمان ناواقف نہیں ہے۔اوران کا یہ رتبہ سب سے بلند وبالا مراتب میں سے ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَاب (الزمر:۹) ترجمہ:''بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔'' نیز فرمایا: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ'' (المجادلۃ:۱۱) ترجمہ:''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے ہیں درجے بلند کردے گا، اور اللہ تعالیٰ (ہر اس کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے۔'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عطا کردیتا ہے۔'' (بخاری)

علماء کے سلسلے میں لوگوں کے نظریات کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو سمجھتے ہیں کہ علماء دیگر سب لوگوں کی طرح ہی ہیں۔ان کی الگ سے کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ایسے لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور دین میں تفرقہ بازی پیدا کردی۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے علماء کو مقدس گروہ کا درجہ دیا اور انہیں ان کے مرتبے سے بھی بلند وبالا سمجھا۔پھر ان کی مطلق تقلید کرنے لگے اور ان کے اقوال کے سامنے شرعی نصوص کو بھی ٹھکرانے لگے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے علماء کی قدردانی تو کی مگر ان کے ساتھ وہ درست رویہ اختیار نہیں کیا جو سلف صالحین کا تھا۔

چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں جو راہ راست پر ہیں، وہ علماء کے قدردان بھی ہے اور ان کے ساتھ درست شرعی رویہ بھی اختیار کرتے ہیں نیز علماء کے ساتھ تعامل میں سلف صالحین کے طریقے پر ہیں۔

لہٰذا ضروری محسوس ہوا کہ علماء کے ساتھ برتاؤ وتعامل کے لیے قواعد وضوابط مقرر کردیے جائیں تاکہ خطِ اعتدال سے انحراف نہ ہوسکے یعنی نہ بزرگ علماء اور ائمہ عظام پر زبان طعن دراز کی جائے جس کی بنا پر ہم ان کا ایسا کلام ہی ٹھکرادیں جو کہ علمی اور تعمیری ہو اور دلیل وثبوت اس کی بنیاد ہو۔اور نہ ان کے سلسلے میں کسی اندھے تعصب کے شکار ہوں۔قواعد وضوابط درج ذیل ہیں:

علماء سے دوستی اور محبت: اللہ کی خاطر محبت کے سلسلے میں علماء، انبیاء کے بعد محبت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔علماء سے محبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی عالم کو دوستی ودشمنی کا دارومدار و پیمانہ بنالیا جائے۔ایک طالب علم اپنے شیخ کی خاطر بدلہ لے اور اس کے اقوال کے سلسلے میں متعصب بن جائے اور اسے ہی حق کا معیار ماننے لگے۔پھر اسی کی بنیاد پر دوستی ودشمنی کرنے لگے۔اس طرح کا رویہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں درست ہے۔

علماء کا ادب واحترام: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے، بڑے کی عزت نہ کرے اور ہمارے عالم کے حق کو نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔

علماء کے مراتب کی رعایت: علم کے مراتب ہیں اور اسی طرح علماء کے بھی درجات ومراتب ہیں لہٰذا ایک طالب عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء کے مراتب کی رعایت کرے۔علماء کے مراتب کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے تخصص واسپیشیلیٹی کی رعایت کی جائے جس فن میں ان کو مہارت حاصل ہے اس میں ان کے قول کا اعتبار خاص طور پر کیا جائے۔علماء کے مراتب کی رعایت میں یہ بھی شامل ہے کہ جس عالم کے علم کے سامنے کسی زمانے یا شہر کے لوگ ہیچ ہوں اور لوگوں کے لیے وہ مرجع کی حیثیت اختیار کرگیا ہو نیز اسی کے فتویٰ کا اعتبار کیا جانے لگا ہو تو اس کا خیال رکھا جائے۔

علماء پر تنقید سے احتراز: علماء کے سلسلے میں طعن وتشنیع، اہل بدعت وگمراہ لوگوں کی پہچان ہے۔کیونکہ وہ جس دین اور دعوت کے حامل ہیں یہ اس پر طعن وتشنیع ہے اور امت کے سلف صالحین اور بعد میں آنے والے اچھے علماء پر نقد وقدح ہے۔

اس بات سے بھی احتراز کیا جائے کہ بغیر دلیل وثبوت کے ان کے موقف کو غلط قرار دیا جائے یا غیر عالم ان پر کوئی حکم لگائے جو بعد میں جہالت کی بنا پر اس عالم کو غلط قرار دینے کی بنیاد بن جائے۔علماء پر غلط ہونے کا حکم ان کے جیسے مرتبے کے علماء ہی لگاسکتے ہیں۔بعض دفعہ بعض علماء پر معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے بھی غلطی کا حکم لگادیا جاتا ہے حالانکہ وہ اس معاملے میں غلطی پر نہ تھے۔

علماء کی غلطیوں کے سلسلے میں عذر تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''تمہارے کسی مسلمان بھائی سے کوئی ایسی ویسی بات نکل جائے تو اس سے بدظن ہونے کے بجائے، ہوسکے تو اسے کسی بھلائی پر محمول کرنا چاہیے۔''

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

سنیچر کے دن روزہ رکھنے کا مسئلہ

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

زیر عنوان مسئلہ سے متعلق بطور مذاکرہ علمیہ چند سطور قارئین باتمکین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔

☆ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ تم میں سے کوئی بھی جمعہ کے دن (یعنی بطور خاص تنہا جمعہ کے دن) روزہ نہ رکھے، الا یہ کہ جمعہ کے ساتھ ایک دن پہلے (جمعرات کو) بھی، یا جمعہ کے ایک بعد (سنیچر کو) بھی روزہ رکھے۔ (بخاری: ۱۹۸۵، ابوداؤد: ۲۴۱۷)

☆ صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اس جمعہ کو روزہ سے تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کیا تم نے کل گذشتہ (جمعرات کو) بھی روزہ رکھا تھا؟ ام المومنین نے جواب دیا، نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم کل آئندہ (سنیچر کو) بھی روزہ رکھوگی؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ روزہ توڑ دو، (یعنی بطور خاص تنہا صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھو۔ (بخاری ۱۹۸۶، ابوداؤد: ۲۴۱۹)

ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے ساتھ سنیچر کو بھی کوئی نفلی روزہ رکھے تو یہ منع نہیں ہے، یعنی سنیچر کو مطلقا روزہ رکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

☆ مسند احمد وغیرہ میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنیچر واتوار کو اکثر روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے یہ دونوں دن مشرکوں (یعنی یہود ونصاری) کے عید کے دن ہیں، میں ان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۲۶۱۷، صحیح ابن حبان: ۹۴۱، مسند احمد وغیرہ)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث میری رائے میں حسن ہے۔ (زاد المعاد: ۲/۷۸،۷۹)

☆ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں حضرت صماء بنت بسر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنیچر کے دن روزہ نہ رکھو، سوائے اس روزہ کے جو تم پر فرض ہے، پس تم میں سے کوئی اگر انگور کا چھلکا یا کسی درخت کی لکڑی ہی پائے تو چاہیے کہ اسی کو چبالے (لیکن سنیچر کو روزہ نہ رکھے)۔ (مسند احمد: ۶/۳۶۸ ابوداؤد: ۲۱۲۴، ترمذی: ۷۴۴، صحیح ابن خزیمہ: ق ۲۱۶۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنیچر کو نفلی روزہ رکھنا مطلق منع ہے، بطور خاص سنیچر کا تنہا روزہ رکھنا بھی اور جمعہ یا اتوار کے ساتھ ملا کر رکھنا بھی کیونکہ اس حدیث میں بظاہر مطلقاً سنیچر کو روزہ رکھنے کی ممانعت وارد ہے۔

سنیچر کو نفلی روزہ رکھنے کے بارے میں یہ دو قسم کی حدیثیں اور دو قسم کی دلیلیں وارد ہیں، اور ان میں بظاہر تعارض ہے، ایک میں سنیچر کو مطلق روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، اور دوسری میں سنیچر کو روزہ رکھنے کی مطلق ممانعت نہیں بلکہ سنیچر کو (بقید صوم یوم قبلہ او بعدہ) روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔

اور جب دو دلیلوں میں بظاہر تعارض ہو تو اصحاب الحدیث کے نزدیک بالاتفاق اولیت اس بات کو حاصل ہے کہ اولا یہ دیکھا جائے کہ کیا ان بظاہر متعارض دلیلوں کے درمیان جمع وتطبیق ممکن ہے، یعنی ہر ایک کا ایسا محمل ومصداق قرار دینا ممکن ہے کہ ان کا تعارض رفع ہو جائے، اگر یہ جمع وتطبیق ممکن ہو تو اسی کو اختیار کیا جائے گا۔

اور اگر بظاہر متعارض دلیلوں کے درمیان جمع وتطبیق ممکن نہ ہو تو دوسرے مرحلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ کیا ان دلیلوں میں سے کسی ایک کا متقدم ہونا، اور دوسری کا متاخر ہونا مدلل اور واضح دلیل سے ثابت ہے، اگر تقدم وتاخر ثابت ہو تو متقدم کو منسوخ اور متاخر کو ناسخ قرار دیا جائے گا۔ اور اسی ناسخ پر عمل کیا جائے گا، یعنی ایک حکم جو پہلے تھا وہ منسوخ کر دیا گیا، اس کے بعد دوسرا حکم دیا گیا ہے، بیک وقت دونوں حکم نہیں تھا، اس لئے یہاں حقیقت میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔

اور اگر ایسی بظاہر دو متعارض دلیلوں کے درمیان نہ جمع وتطبیق ممکن ہو، نہ اس میں کسی کا متقدم ہونا اور کسی کا متاخر ہونا ثابت ہو، تو تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ کیا وجوہ ترجیح میں سے کسی بنا پر بعض کو ترجیح دی جاسکتی ہے، اگر کسی کو کوئی وجہ ترجیح حاصل ہو تو وہ راجح ہوگی اور راجح پر عمل کیا جائے گا، مرجوح کو ترک کر دیا جائے گا۔

اور اگر نہ جمع وتطبیق ممکن ہو، نہ متقدم ومتاخر ہونا ثابت ہو نہ ہی ترجیح کی کوئی صورت بنے تو پھر توقف کیا جائے گا، گویا بروقت کسی پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ تاوقتیکہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت متحقق ہو جائے۔

بظاہر متعارض دلیلوں کے تعلق سے اصحاب الحدیث کے نزدیک یہی اصول اور یہی ترتیب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نزہہ شرح نخبہ میں تحریر فرماتے ہیں:

فصار ما ظاهره التعارض على هذا الترتيب، الجمع ان أمكن،

فاعتبار الناسخ والمنسوخ (یعنی ان عرف التاریخ والا) فالترجیح، ثم التوقف" (نزہۃ النظر:طبعۃ جامعہ سلفیہ:۵۹،نیز دیگر کتب مصطلح)

سنیچر کو نفلی روزہ رکھنے نہ رکھنے کے بارے میں وارد حدیثوں میں جو بظاہر تعارض ہے، اس کے تئیں اصحاب الحدیث کا موقف مذکورہ بالا متفق علیہ اصول کے بالکل مطابق ہے، ان کا موقف یہ ہے کہ مذکورہ بالا احادیث نہی واباحت کے درمیان حقیقت میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے، دونوں قسم کی حدیثوں کا مصداق ومحمل الگ الگ ہے، اصحاب الحدیث کی فہم ورائے میں حدیث نہی کا معنی ومحمل یہ ہے کہ بطور خاص تنہا سنیچر کا نفلی روزہ رکھنے کا اہتمام نہ کیا جائے۔

اوراحادیث اباحیت کا معنی ومحمل یہ ہے کہ اگر سنیچر کے ساتھ اس سے ایک دن پہلے جمعہ کو بھی، یا اس کے ایک دن بعد اتوار کو بھی روزہ رکھا جائے، یا جمعہ کے ساتھ سنیچر کو بھی یا اتوار کے ساتھ سنیچر کو بھی روزہ رکھا جائے تو اس طرح سنیچر کے دن روزہ رکھنا منع نہیں ہے بلکہ اس کی اجازت ہے، حدیث ابوہریرہؓ وحدیث ام المومنین جویریہؓ وغیرہ کا معنی ومحمل یہی ہے۔

امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام منذری، امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم وغیرہ ائمہ حدیث رحمہم اللہ نے اسی طرح امام شوکانی، علامہ نواب صدیق حسن خان، محدث عظیم آبادی، محدث مبارکپوری، شیخ الحدیث مبارکپوری وغیرہ علمائے اہل حدیث رحمہم اللہ نے مذکورہ حدیثوں کا یہی محمل ومصداق اور یہی معنی ومطلب بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۳/۳۷۳، سنن ابوداؤد مع عون المعبود:۷/۴۸، صحیح ابن خزیمہ احادیث ۲۱۶۴، ۲۱۶۵، ۲۱۶۷، صحیح ابن حبان ۳۶۶، ۳۶۷، الروضۃ الندیہ ۲/۳۷، مرعاۃ شرح مشکوۃ ۳/۲۹۰، تہذیب السنن برحاشیہ عون المعبود ۷/۵۱ وغیرہ ذلک۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارواء الغلیل (۴/۱۲۵) میں مذکورہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے، حدیث ابن بسر (یعنی حدیث نہی عن صوم یوم السبت) کے لئے ناسخ ہونے یا اس کے معارض ہونے کے دعوی پر نقد ونکیر کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس سے بظاہر اسی مذکورہ جمع وتطبیق کی تائید ہوتی ہے، ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

"ولو صح (یعنی حدیث ام سلمہ) لا یصلح أن یعتبر ناسخا لحدیث ابن بسر، ولا أن یعارض بہ لما ادعی الحاکم، لامکان حملہ علی أنہ صام مع السبت یوم الجمعۃ، وبذلک لا یکون قد خص السبت بصیام، لأن ہذا ہو المراد بحدیث ابن بسر. کما سبق عن الترمذی"

(یعنی حدیث ام سلمہ صحیح ہو جب بھی وہ حدیث ابن بسر کے لئے ناسخ یا اس کے معارض نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ حدیث ام سلمہ کا معنی ومحمل یہ ہو کہ سنیچر کے ساتھ جمعہ کا بھی روزہ رکھا، یعنی تنہا خاص سنیچر کو روزہ کے ساتھ خاص نہیں کیا، اس لئے کہ حدیث ابن بسر سے یہی مراد ہے، جیسا کہ امام ترمذی کا قول گذرا۔ (یعنی حدیث ابن بسر حدیث نہی عن صوم یوم السبت) میں خاص سنیچر کا روزہ رکھنے، یا بلفظ دیگر سنیچر کو روزہ رکھنے کے ساتھ خاص کرنے کی ممانعت ہے، سنیچر کو مطلق روزہ رکھنے کی نہیں)

فنعم الوفاق.

☆ ایک معروف اصول اور ہے یعنی **بناء عام علی الخاص** اور**بناء مطلق علی المقید**، اگر اس اصول کو زیر بحث حدیثوں کے تعلق سے جاری کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ حدیث نہی عن صوم یوم السبت عام اور مطلق ہے، اور احادیث اباحت خاص اور مقید ہیں، اس لئے بربنائے اصول مذکور عام اور مطلق کو خاص اور مقید پر محمول کیا جائے گا اور اس صورت میں بھی ان سب حدیثوں کا معنی ومطلب وہی ہوگا جو اوپر بیان کیا گیا، فافہم۔

بہرحال جب مذکورہ زیربحث بظاہر متعارض حدیثوں کے درمیان جمع وتطبیق ممکن ہے اور اصحاب الحدیث نے اسی جمع وتطبیق کو اختیار بھی کیا ہے، تو اب نسخ وترجیح کی کوئی صورت اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ وہ خلاف اصول اور ناقابل قبول ہے، ان حدیثوں سے متعلق نسخ کا یہ دعویٰ کہ سنیچر کے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھنے کے ساتھ سنیچر کو روزہ رکھنے کی اجازت پہلے تھی یہ اجازت متقدم ہے، بعدہ اس کی بھی ممانعت کردی گئی، یہ نہی ناسخ ہے اور اباحت متقدم اور منسوخ ہے، یہ دعویٰ اور اس پر اصرار محل نظر ہے:

اولاً: اس لئے کہ نسخ کی صورت اختیار کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ بظاہر متعارض دلیلوں کے درمیان جمع وتطبیق متعذر رہو، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **فان النسخ لا یصار الیہ مع امکان الجمع ولو ثبت التاریخ** (فتح الباری: ۱۰/۸۳) اور ڈاکٹر شیخ عبدالباری فتح اللہ المدنی رحفظہ اللہ (سابق استاذ حدیث وعلومہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود، الریاض) تحریر فرماتے ہیں:

"یشترط للنسخ تعذر الجمع بین الدلیلین، فان أمکن الجمع فلا نسخ، لامکان العمل بکل منہما" (تعلیق علی المنہل الروی ص ۴۳۵)

اور زیر بحث حدیثوں کے درمیان جمع وتطبیق نہ صرف یہ کہ متعذر نہیں، بلکہ واقع اور متحقق ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، اس لئے یہاں نسخ کی صورت اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ **فان امکن الجمع فلا نسخ.**

ثانیاً: ادعاء نسخ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے متعارض دلیلوں کے درمیان تقدم وتاخر، کسی کا متقدم ہونا اور کسی کا متاخر ہونا واضح دلیل سے ثابت ہو، تب متاخر کو ناسخ اور متقدم کو منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور زیر بحث حدیثوں کے درمیان تقدم وتاخر، مثلاً حدیث نہی کا متاخر ہونا اور احادیث دالۃ علی الاباحۃ کا متقدم ہونا کسی دلیل سے ثابت

نہیں ہے، اس لئے یہاں نسخ کا دعویٰ بجا اور درست نہیں ہوسکتا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ۶ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مشرف با اسلام ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، ان دونوں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ و براہ راست مروی حدیثوں سے سنیچر کو بقید صوم یوم قبلہ اور بعدہ روزہ رکھنے کی اباحت ثابت ہوتی ہے، ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یہ حدیثیں سنی ہیں۔ یعنی یہ بہر حال ۶ھ اور ۷ھ کی یا اس کے بعد کی باتیں ہیں، اب ان حدیثوں کو منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنے کے لئے بہر حال یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حدیث نہی اس کے بھی بعد کی ہے، حالانکہ یہ ثابت نہیں، اس کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

☆ بلکہ ہوسکتا ہے کہ احادیث ابو ہریرہ و جویریہ رضی اللہ عنہما کے مذکورہ تاخر کے پیش نظر امام ابوداؤد نے یہ کہا ہو کہ حدیث نہی، حدیث صماء بنت بسرؓ منسوخ ہے۔

نسخ کی ایک تقریر وہ ہے جو شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ نے مرعاۃ (طبع اول ۲۹۰/۳) میں ذکر کی ہے، اس کی تفصیل وتشریح یہ ہے کہ سنیچر کو روزہ رکھنے کی ممانعت پہلے تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الجملہ یہود کی موافقت کا موقف اختیار فرمایا تھا، (جیسا کہ قبلہ وغیرہ کے بارے میں بھی یہود کی موافقت اختیار کی گئی تھی) اسی طرح یہود چونکہ سنیچر کو روزہ نہیں رکھتے تھے، کیونکہ وہ ان کے ہفتہ وار عید کا دن تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو ان کی موافقت میں سنیچر کو روزہ رکھنے سے ابتداء میں منع فرمادیا تھا۔ لیکن فیما بعد جو یہود سے امتیاز کا موقف اختیار کیا گیا تو سنیچر کو روزہ رکھنے کی مسلمانوں کو اجازت دے دی گئی کہ اس بارے میں یہود سے مسلمانوں کا امتیاز رہے۔ یہ تدریج اور یہ ترتیب زیادہ قرین قیاس ہے۔ واللہ اعلم

☆ اگر ان زیر بحث حدیثوں کے درمیان کوئی شخص ترجیح کی صورت اختیار کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ اباحت واجازت پر دلالت کرنے والی حدیثیں زیادہ بھی ہیں اور اقویٰ، قوی تر بھی ہیں، یہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیثیں ہیں، جب کہ حدیث نہی ایسی نہیں ہے، اور امام نسائی نے اسے مضطرب بھی قرار دیا ہے، مگر یہاں نسخ وترجیح کے بجائے جمع وتطبیق ہی اولیٰ اور صحیح تر اصولی صورت ہے، اور وہی راجح ومختار ہے، نسخ وترجیح کا تذکرہ یہاں ضمناً آگیا ہے۔ **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.** آمین

جیسا کہ شروع ہی میں عرض کیا گیا یہ سطور بطور مذاکرہ علمیہ تحریر کی گئی ہیں، ردوقدح قطعی مقصود نہیں ہے، اہل علم کو چاہیے کہ وہ مذاکرہ ومناقشہ میں شدت وحدت اور طنز وتعریض سے پرہیز کریں، اور اکابر کی بہر حال تکریم وتعظیم ملحوظ رکھیں، علم ہر ایک سے تواضع کا متقاضی ہے۔ **من تواضع لله رفعه الله وهو ولی التوفیق.**

☆☆☆

اے بلادِ حرم!

اے بلادِ حرم! تو سلامت رہے
تجھ کو حاصل سدا رب کی رحمت رہے

تیرے ذروں میں توحید کی روشنی
تیری گلیوں میں سنت کی ہے چاندنی
کیوں نہ پھر ہم کو تجھ سے محبت رہے
اے بلادِ حرم! تو سلامت رہے

سبز پرچم ترا ایک رب کا گواہ
تو سراپا ہے اسلام کی شاہراہ
تجھ پہ رب کی برستی عنایت رہے
اے بلادِ حرم! تو سلامت رہے

دشمنوں کی نظر میں ہے ارضِ حرم
یا الٰہی تو محفوظ رکھنا بھرم
تیری نظرِ کرم تا قیامت رہے
اے بلادِ حرم! تو سلامت رہے

خادمِ ارضِ حرمین کو تو سدا
رکھنا حفظ و اماں میں یہی ہے دعا
ہر عدو اس کا برباد و غارت رہے
اے بلادِ حرم! تو سلامت رہے

اے بلادِ حرم! تو سلامت رہے
تجھ کو حاصل سدا رب کی رحمت رہے

محمد ابراہیم سجاد تیمی
پرنسپل مدرسہ سراج العلوم، گیروا گھاٹ، کٹیہار

بدعت کے برے نتائج

مولانا آصف تنویر تیمی
استاذ جامعہ امام ابن تیمیہ، بہار

علماء اور عوام کی زبان پر دو کلمہ بکثرت سنا جاتا ہے، شرک اور بدعت۔ شریعت کی روشنی میں دونوں نہایت خطرناک بھی ہیں۔ شرک کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایک اللہ کی عبادت چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت میں لگ جائے، اور بدعت کا مفہوم ہے کہ کتاب وسنت کی دلیل دیکھے بغیر اپنی طبیعت سے کسی کام کو دین کا حصہ بنالے۔ قرآن وحدیث میں دونوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ سردست بدعت کی مذمت اور اس کے برے نتائج سے متعلق چند باتیں قلمبند کی جارہی ہیں تاکہ ہم سب اس گناہ سے اپنے آپ کو بچاسکیں۔

اللہ تعالی نے فرمایا: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کرلیا“ (المائدہ:۳) ۔اس آیت کی تفسیر میں معروف مفسر علامہ ڈاکٹر محمد لقمان السلفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”اللہ تعالی نے امت اسلامیہ پر اپنی نعمت اور عظیم احسان کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے انہیں ایک مکمل دین عطا کیا ہے، انہیں اب نہ کسی دوسرے دین کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی دوسرے نبی کی۔

امام احمد اور بخاری ومسلم رحمہم اللہ نے طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر المومنین! آپ لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر وہ ہم پر نازل ہوئی ہوتی، تو اس دن کو ہم ”یوم عید“ بنالیتے۔ انہوں نے پوچھا، وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا: ”الیوم اکملت لکم دینکم“ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم، میں اس دن اور اس وقت کو خوب جانتا ہوں جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کی شام میں نازل ہوئی تھی“۔ (تیسیر الرحمن لبیان القرآن، ص۳۲۶/۳۲۷)

اللہ تعالی نے فرمایا: ”اور بے شک یہی میری سیدھی راہ ہے، پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو، اور دوسرے طریقوں پر نہ چلو جو تمہیں اس کی (سیدھی) راہ سے الگ کردیں، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے، تاکہ تم تقوی کی راہ اختیار کرو“ (الانعام:۵۳)۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دین اسلام پر چلیں کیوں کہ یہی اس کی سیدھی راہ ہے۔ اور اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان ومذاہب اور افکار ونظریات کی اتباع ہرگز نہ کریں۔ امام احمد اور حاکم رحمہما اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور کہا کہ یہ اللہ کی راہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ ان راستوں میں سے ہر ایک پر ایک شیطان کھڑا ہے جو اس پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”وأن هذا صراطي مستقيما“۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اسلام کے لئے لفظ ”سبیل“ مفرد آیا ہے۔ اور دیگر مذاہب اور فرقوں کے لئے ”سبل“ جمع آیا ہے۔ اس لئے حق ایک ہے، اور تقلیدی مذاہب اور عقائدی فرقے متعدد اور گوناگوں ہیں۔ ابن عطیہ کہتے کہ ”سبل“ کا لفظ یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور دیگر تمام ملتوں، بدعتوں اور گمراہیوں کو شامل ہے جنہیں اہل ہوا وہوس نے پیدا کیا ہے، اسی طرح علم کلام کے وہ تمام فرقے اس زمرے میں آجاتے ہیں جو خواہ مخواہ کی تفصیلات میں داخل ہوتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں، جان لو کہ راستہ صرف ایک ہے، اور اہل ہدایت کی جماعت اور اس کا انجام جنت ہے، اور ابلیس نے مختلف راستے پیدا کردیئے ہیں جو گمراہوں کی جماعتیں ہیں اور ان کا انجام جہنم ہے۔ (تیسیر الرحمن لبیان القرآن)

بدعت کی مذمت میں تیسری بنیادی آیت ” هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ “ (آل عمران:۷) ترجمہ: ”اسی نے آپ پر کتاب اتاری ہے، جس میں محکم آیتیں ہیں جو اس کتاب کی اصل ہیں، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں، پس جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے وہ فتنہ گیری کی غرض سے اور (اپنی خواہش نفس کے مطابق) تاویل کی غرض سے انہیں متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا“۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے گمراہ لوگوں کے طریقے کو بتلایا ہے کہ وہ کس طرح راہ حق کو ترک کرکے متشابہ کے پیچھے بھاگتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو فتنے میں ڈال سکیں۔ بالکل یہی رویہ بدعتیوں کا بھی ہوتا ہے وہ قرآن کریم کی واضح ہدایات کو چھوڑ کر غیر واضح مسائل میں خود الجھتے اور دوسروں کو الجھاتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی اتباع وپیروی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے روکا ہے۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد بڑا پر مغز خطبہ دیا، خطبہ سن کر ہماری آنکھیں ڈبڈبا گئیں، دل دہل گیا، کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الوداعی نصیحت ہے، آپ وصیت فرمائیے۔ تو آپ نے کہا: ”میں تمہیں اللہ کے

تقوی اور اطاعت وفرماں برداری کا حکم دیتا ہوں، اگر چہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا، ایسی صورت میں تمہارے لئے میری اور میرے خلفاء کی پیروی لازم ہے، اس سے سرموانحراف نہ کرنا، اور دین میں نئی باتوں کی ایجاد سے گریز کرنا، اس لئے کہ ہرنئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے‘‘ (سنن ابن ماجہ:۴۲)۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہوجاتی آپ غیض وغضب میں نظر آتے۔ آپ جنگی کمانڈر کی مانند کہتے: صبح یا شام تمہارے پاس دشمن دھاوا بول دے اور کہتے: ’’میری بعثت اور قیامت اس طرح ہے‘‘ اور اپنی شہادت اور بیچ والی انگلی کو ملاتے، اور کہتے: اما بعد، سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور بدترین کام دین میں بدعت کا ارتکاب ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے‘‘۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ)

بدعت کی مذمت اور قباحت سے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو دین میں ایسی چیز پیدا کرے جو دین کا حصہ نہیں ہے تو وہ چیز مردود ہے‘‘۔ (صحیح بخاری) اور صحیح مسلم کی روایت ہے: ’’جو کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے جس پر شریعت کی دلیل موجود نہیں تو اس کام کا کوئی اعتبار وشمار نہیں‘‘۔ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ’’یہ حدیث اسلام کا عظیم قاعدہ ہے، جوامع الکلم میں سے ہے، اور اس بات پر صریح ہے کہ ہر قسم کی بدعت اور دین کے نام پر ایجاد کردہ چیز مردود ہے۔ یہ حدیث اس لائق ہے کہ اسے یاد رکھا جائے اور بدعات ومنکرات کے بطلان پر اس کے ذریعہ استدلال کیا جائے‘‘۔ (المنہاج شرح مسلم بن الحجاج، ۱۲/۱۶)

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ مذکورہ حدیث سے متعلق فرماتے ہیں: ’’یہ حدیث اصول اسلام میں سے ہے، بلکہ اعمال کے پرکھنے کا پیمانہ ہے، جس طرح حدیث ’’انما الأعمال بالنیات‘‘ سے آدمی کے باطنی اعمال کو ناپا جاسکتا ہے اسی طرح اس حدیث سے ظاہری اعمال کو بھی ناپا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے آدمی کا ہر وہ عمل جس کی دلیل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو وہ قابل رد ہے‘‘۔ (جامع العلوم والحکم، ص ۵۲) بدعت کی مذمت کے بارے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’فمن رغب عن سنتی فلیس منی‘‘ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)۔ ترجمہ: ’’جو میری سنت سے اعراض کرے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے‘‘۔

بدعات کے اخروی اور دنیاوی مفاسد اور نقصانات بھی بے شمار ہیں جن سے ہر مسلمان کو باخبر رہنا چاہئے۔ ذیل کے سطور میں بدعات کے چند اہم نقصانات کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) **بدعتی کا عمل مقبول نہیں ہوتا**: بدعتی کی عبادت، اس کے اقوال وافعال اور عقائد شریعت کے منافی ہوتے ہیں، جب کہ اسلام نے اعمال کی قبولیت کے لئے دو بنیادی شرائط بتلائے ہیں: اخلاص اور سنت کی پیروی۔ اور بدعتی کا عمل دوسری شرط سے خالی ہوتا ہے چنانچہ اس کے اعمال قبول نہیں ہوتے۔

بدعتی کے اعمال کی عدم مقبولیت کا دو معنی اہل علم نے بتلایا ہے؛ پہلا یہ ہے کہ بدعتی کے سارے اعمال مردود ہوتے ہیں چاہے وہ سنت کے موافق ہوں یا مخالف۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ بدعتی کا صرف وہی عمل قبولیت سے خالی ہوتا ہے جو سنت کے خلاف ہو۔

پہلے معنی کی دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے جس کے راوی زید بن وہب الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لشکر میں شامل تھے جو خوارج سے مقابلہ کے لئے نکلا تھا، اسی موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: ’’میری امت کی قرآن پڑھنے والی ایک جماعت دین سے برگشتہ ہوجائے گی، حالانکہ ان کی شاندار قرأت کے سامنے، ان کی بہترین نماز کے سامنے، ان کے روزے کے آگے تم اپنی قرأت، اپنی نماز اور اپنے روزہ کو کمتر خیال کروگے۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور ان کا گمان ہوگا کہ ان کی تلاوت ان کو فائدہ پہنچائے گا جب کہ ان کی تلاوت سے ان کے خلاف حجت ہوگی، ان کی نماز ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گی۔ وہ لوگ اسلام سے ایسے باہر نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے‘‘۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ) اس حدیث سے اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ بدعتی کا سارا عمل بدعقیدگی کی وجہ سے مردود ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ خوارج کا تمام عمل اس کے فاسد عقیدہ کے وجہ سے بے سود ہوجاتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مشہور ہے کہ ان سے جب قدریہ کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: ’’جب ان لوگوں (قدریہ) سے ملاقات ہو تو انہیں بتلانا کہ میں ان سے بری ہوں، اور وہ لوگ مجھ سے بری ہیں۔ اور عبداللہ بن عمر اس بات پر قسم کھاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کرے تو بھی اللہ تعالی اسے قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئے‘‘۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الأیمان والاسلام والاحسان)

بدعتی کے تمام اعمال کی عدم قبولیت کے سلسلے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مدینہ پورا کا پورا محترم ہے، جس کسی نے بھی اس میں بدعت کا ارتکاب کیا، یا کسی بدعتی کو پناہ دی، تو اس پر اللہ، اس کے فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، قیامت میں اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں ہوگا‘‘۔

(۲) **بدعتی ذلیل وخوار ہوتا ہے**: بدعتی شخص اللہ کی پناہ اور حفاظت سے خارج ہوجاتا ہے اور وہ اپنے نفس کے حوالہ کردیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی اسی شخص کو پناہ اور دنیا وآخرت کی نجات عطا کرتا ہے جو شریعت کا پابند ہوتا

ہے،اور جو شریعت سے نکل کر شریعت سازی کرنے لگے اس سے اللہ کی حفاظت وصیانت ختم ہوجاتی ہے اور ذلت وخواری اس کی مقدر بن جاتی ہے۔اللہ تعالی نے فرمایا:''جو شخص اللہ تعالی (کے دین) کو مضبوط تھام لے تو بلا شبہ اسے راہ راست دکھادی گئی'' (آل عمران:١٠١)۔اور فرمایا:''اللہ تعالی کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو''۔آیت میں موجود ''حبل اللہ'' سے مراد کتاب وسنت ہے،معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے بندوں پر کتاب وسنت کی پابندی کو لازم قرار دیا ہے۔اور کتاب وسنت کے التزام ہی میں دنیا وآخرت کی نجات ہے اور اس سے روگردانی کرنے والے کے لئے سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں۔اور بدعتی کے لئے اس سے بڑی ذلت ورسوائی کیا ہوسکتی ہے کہ اس کی نفس پرستی کی وجہ سے اللہ تعالی کی حمایت ومعیت اس سے ختم ہوجائے اور وہ اپنے آپ کے حوالے کردیا جائے۔اور جو لوگ شریعت اسلامیہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اللہ تعالی نے دنیا میں فتنہ اور آخرت میں دردناک عذاب کی نوید سنائی ہے۔اللہ تعالی نے فرمایا:''تم میں سے انہیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں۔سو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے''۔(النور:٦٣)

(٣) **اللہ سے دوری:** بدعت کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے بدعتی جتنا بدعت میں آگے بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہونے لگتا ہے۔واجبات وفرائض اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہیں،اور ایک مسلمان جس قدر معروف کی پیروی اور منہیات سے اجتناب کرتا ہے اسی قدر اسے اللہ تعالی کی قربت نصیب ہوتی ہے۔لیکن بدعتی غیر شرعی طریقہ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے جس کی وجہ سے بجائے اللہ کی قربت کے اسے دوری حاصل ہوتی ہے۔اس کو اس مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی کو مکہ پہنچنا چاہے مگر مکہ کا راستہ چھوڑ کر مدینہ کا راستہ اختیار کرلے۔ایسا شخص جتنا بھی چلے گا بجائے وہ مکہ سے قریب ہونے کے اس سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:''بدعتی کی محنت اسے اللہ سے بہت دور کردیتی ہے''۔خوارج کو دیکھیں عبادت گزار،نماز اور روزہ دار ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے،اور یہ صرف ان کی بدعت کی وجہ سے۔

(٤) **بدعتی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتی سے براءت کا اظہار کیا ہے۔آپ کا واضح فرمان گزر چکا ہے:''جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔اور بدعتی سنت سے انحراف کرکے اس راستہ کو اختیار کرتا ہے جو شیطان اس کے لئے مسخر اور مزین کرتا ہے۔چنانچہ بدعتی اس وعید میں داخل ہے۔اسی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قدریہ سے براءت کا اعلان کیا۔

(٥) **بدعتی خود گنہگار اور دوسروں کے گنہگار کا ذمہ دار بنتا ہے:** اللہ تعالی نے فرمایا:''اسی کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصے دار ہوں گے جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں''۔(النحل:٢٥) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر کوئی شخص اسلام میں غلط طریقہ ایجاد کرتا ہے تو اس کا گناہ اسے اور اس عمل بد کے اختیار کرنے والے کو بھی ہوتا ہے''۔(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ) ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جو شخص بھی ظالمانہ طریقہ سے قتل ہوتا ہے اس کے گناہ کا ایک حصہ آدم (علیہ السلام) کے بیٹے (قابیل) کو جاتا ہے اس لئے کہ اسی نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا'' (کتاب أحادیث الأنبیاء صلوات اللہ علیہم، باب قول اللہ تعالی: **واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الأرض خلیفا**)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جو خیر کی طرف دعوت دیتا ہے اسے اپنا اور جو اس خیر پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کا بھی اجر ملتا ہے اور عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کسی قسم کی کمی بھی واقع نہیں ہوتی۔اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف بلاتا ہے اسے اپنا اور ان لوگوں کا بھی گناہ ملتا ہے جو اس گمراہی پر عمل کرتے ہیں،اور ان گمراہ لوگوں کے گناہ میں کمی بھی نہیں ہوتی''۔(صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ أو سیئۃ)

(٦) **بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی:** بدعتی کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ اس کو توبہ کا موقع نہیں ملتا۔جب وہ توبہ کرنے کی کوشش کرتا ہے شیطان بدعت کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے،اور ذہن میں یہ بات پختہ کرتا ہے کہ جو کام کر رہے ہو وہ اطاعت وفرماں برداری اور تقرب الہی کا ذریعہ ہے۔اور جس کو معصیت نیکی اور ثواب نظر آنے لگے وہ کیسے تائب ہوسکتا ہے۔انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالی نے ہر بدعتی سے توبہ کو روک لیا ہے''۔(کتاب السنہ، للحافظ أبی بکر عاصم الضحاک، وصححہ الألبانی رحمہ اللہ) سفیان الثوری رحمہ اللہ کا قول اس تعلق سے مشہور ہے:''ابلیس کے نزدیک معصیت سے زیادہ محبوب بدعت ہے اس لئے کہ بدعت سے توبہ مشکل ہوتا ہے اور معصیت سے رجوع آسان ہے''۔(مجموع الفتاوی ١٠/٩) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس قول کی وضاحت کے طور پر کہتے ہیں:''توبہ اس حال میں ممکن ہوتا ہے جب صاحب عمل اس کو برا خیال کرے،اور بدعتی بدعت کو برا نہیں بلکہ اچھا عمل تصور کرتا ہے،ایسی صورت میں توبہ کیسے ممکن ہے''۔(مجموع الفتاوی ١٠/٩)

بدعت کے نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ بدعتی کے سوء خاتمہ کا خدشہ ہوتا ہے، حشر کے میدان میں بدعتی کو حوض کوثر سے بھگایا جائے گا،بدعت سے سنت مٹتی ہے،سماج میں اختلاف وانتشار پروان چڑھتا ہے، فتنے رونما ہوتے ہیں اور دین اسلام کی صورت مسخ ہوتی ہے۔چنانچہ ہم سب کو بدعات کے ارتکاب سے اجتناب کرنا چاہئے،اور ہمہ وقت توحید وسنت پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب کرے۔

☆☆☆

ڈاکٹر عبداللہ فیصل

اشیاء خوردنی میں ملاوٹ - دور جدید کا ایک سنگین مسئلہ

ملاوٹ اتنی ہی پرانی وبا ہے جتنی پرانی انسانی تاریخ دودھ اور شہد سے لیکر اناج تک میں ملاوٹ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔لیکن جدید دور میں یہ مسئلہ زیادہ شدت اختیار کر گیا ہے۔اور اس کی نوعیت زیادہ سنگین ہوگئی ہے جدید ٹیکنالوجی نے اس کی سنگینی میں اور اضافہ کیا ہے۔مثال کے طور پر دودھ کو لے لیجئے دودھ میں ہمیشہ سے پانی کی ملاوٹ ہوتی چلی آرہی ہے۔ کچھ بد دیانت قسم کے گوالے گندہ پانی بھی ملا دیتے ہیں لیکن آج جو دودھ خالص دودھ کے نام پر سپلائی کیا جاتا ہے وہ کئی اعتبار سے بہت زیادہ خطرناک ہے۔ جو دودھ پیکنگ کی صورت میں ملتا ہے تمام تر احتیاط کے باوجود بہت سے مضر اثرات اس میں رہ جاتے ہیں گائے اور بھینس کا جو دودھ دستیاب ہے اگر اس میں پانی نہیں ملا ہے تو بھی وہ صحت کے لئے خطرناک ہے کیوں کی یہ دودھ انجکشن کے ذریعہ جانور کے جسم سے نکالا جاتا ہے۔

دودھ کی ایک اور قسم مارکیٹ میں دستیاب ہے جو سرے سے دودھ ہی نہیں ہے، یوریا اور مختلف قسم کے پاوڈر و کیمیکل سے تیار کیا جاتا ہے اور بازار میں دودھ کی شکل میں سپلائی کر دیا جاتا ہے اس قسم کے سارے دودھ صحت کیلئے انتہائی مضر ہے۔اس سے جگر اور گردوں کی خرابی کے علاوہ کینسر جیسی بیماریاں بھی پیدا ہوسکتی ہیں، بالائی لوگ بہت شوق سے کھاتے ہیں آج بازار میں مصنوعی بالائی بھی دستیاب ہے ملاوٹ دودھ تک ہی محدود نہیں ہے۔شہد صحت کیلئے نہایت عمدہ مانا جاتا ہے، بہت تحقیق کے بعد بھی خالص شہد کا ملنا تقریبا ناممکن ہے، بازار میں جو کھلا شہد دستیاب ہے اس میں گڑ اور شکر کی آمیزش ہوتی ہے۔ یہاں سے پریشان ہو کر لوگ بڑی کمپنیوں کی طرف بھاگتے ہیں۔چند ماہ قبل ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ ملک کی بڑی بڑی اور نامی گرامی کمپنیوں کے شہد میں بھی بہت زیادہ ملاوٹ پائی گئی اس کے باوجود شہد کے نام پر بڑی بڑی کمپنیوں کا کاروبار جاری ہے۔اب آتے ہیں تیل کی طرف تیل کسی بھی کچن کا ایک لازمی جزء ہے لیکن اب اس میں بھی بہت زیادہ ملاوٹ ہونے لگی ہے۔سرسو کا تیل سویابین کا تیل اور اس طرح کی کئی اشیاء ایسی ہیں جن کا تیل کھانے میں استعمال کیا جاتا ہے ان تیلوں میں بھی بہت بڑے بڑے پیمانے پر ملاوٹ ہونے لگی ہے۔جانوروں کی چربی صحت کیلئے مضر ہے۔پھلوں کے بیج سے نکالا ہوا تیل اور کیمیل کی آمیزش سے تیار کیا ہوا تیل بازار میں دستیاب ہے شمالی ہند میں سرسو کا تیل اور جنوبی ہند میں ناریل کا تیل بہت کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔لیکن مارکیٹ میں دستیاب ہونیوالا تیل اکثر نقلی ہوتا ہے۔سیاہ مرچ میں پپیتے کے بیج سوکھی دھنیا کے اندر مونگ پھلی کا چھلکا غرض کی تمام مسالوں میں کسی نہ کسی شئی کی ملاوٹ کا سلسلہ بہت قدیم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب بھی بہت نقصان دہ ہے، لیکن جدید دور میں ملاوٹ کے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں وہ بہت زیادہ خطرناک ہیں، مثال کے طور پر پھلوں پر کیمیل چھڑک کر ان کو تازہ دکھانا خربوزہ پپیتا اور ان جیسے دوسرے پھلوں میں مصنوعی طریقے سے مٹھاس ڈالنا سبزیوں کو تروتازہ دکھانے کے لئے مصنوعی رنگوں کا سہارا لینا ان سب چیزوں کا آج پوری مارکیٹ میں دور دورہ ہے۔جس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ملاوٹ کی ایک اور قسم ہے جو آسانی سے پکڑ میں نہیں آتی ہے۔خراب زمین اور گندے پانی کے ذریعے اگائی گئی سبزیاں ان سبزیوں میں مضر اثرات بڑی مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔یہ وہ سبزیاں ہیں جن کو نالی کے گندے پانی سے زمین کو سینچ کر اور اس میں زہریلی کھاد ڈال کر اگایا جاتا ہے۔ان سبزیوں میں وافر مقدار میں صحت کیلئے مضر اجزاء موجود ہوتے ہیں جو کم از کم عام لوگوں کی پکڑ میں نہیں آتے ہیں۔کھیتوں میں مصنوعی کھاد کے ذریعے جو اناج اگایا جاتا ہے اس میں بھی مضر اثرات کافی مقدار میں ہوتے ہیں ایک زمانہ تھا ہندستان میں ضرورت بھر اناج پیدا نہیں ہوتا تھا اس کا توڑ یہ نکالا گیا کہ کھاد کے ذریعے پیداوار میں اضافہ کیا جائے اس سے اناج کی پیداوار تو بڑھ گئی لیکن ٹریکٹر کے ذریعہ زمین کی جتائی اور ٹیوبویل کے ذریعہ پانی نکالنے سے جہاں ایک طرف زمینیں بنجر ہونا شروع ہوگئیں اور کثرت سے پانی ضائع ہونے کی وجہ سے زیر زمین پانی کی مقدار کم ہوگئی وہیں دوسری طرف اناج بھی صحت کے لئے محفوظ نہیں رہ گیا، کھیتوں میں کیمیل کی آمیزش کے مضر اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کی جو جانور چارہ کھاتے ہیں ان کا گوشت بھی اتنا زہر آلود ہوگیا کہ مردار کھانے والے گدھوں کی نسل فنا ہوگئی اب اس کو زندہ رکھنے کی حکومتی سطح پر کوشش کی جارہی ہے۔سبز انقلاب کے بعد ایک سفید انقلاب بھی آیا ہے، یعنی ملک میں ضرورت بھر دودھ کی پیداوار اس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں، ایک انقلاب اور آیا ہے وہ ہے مرغی اور انڈوں کا انقلاب۔ابتدا میں صرف دیسی مرغیاں اور دیسی انڈے دستیاب تھے جو بہت مہنگے ہوتے تھے۔عام لوگوں کی استطاعت سے باہر تھے، آج کروڑوں کی تعداد میں مرغیاں اور انڈے مصنوعی طریقے سے تیار کئے جارہے ہیں جس کی وجہ سے مارکیٹ میں مرغیوں اور انڈوں کا اسٹاک موجود ہے۔پہلے مرغی کا گوشت بکرے سے بھی مہنگا ہوتا تھا لیکن آج یہ بڑے کے گوشت سے بھی سستا ہے اور ہر جگہ کثرت سے استعمال ہو رہا ہے اور مرغی کے گوشت مختلف ناموں سے نئی نئی ڈشیں تیار کر کے عوام کو پروسی جارہی ہیں، صحت پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات پر بھی کئی رپورٹیں بھی آچکی ہیں، زندگی کے ہر شعبے میں ملاوٹ روزمرہ کا معمول بن گئی ہے ملاوٹ کے خلاف قانون بھی موجود ہے اکثر چھاپے مار کر ملاوٹی اشیاء پکڑی جاتی ہیں اسکے علاوہ بھی بازار میں نقلی اور ملاوٹی اشیاء کی خرید وفروخت جارہی ہے، اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ایک وجہ ہے عوام کے اندر صحت کے متعلق سے شعور اور بیداری کی کمی اور دوسری وجہ ہے سستی اشیاء کی طرف بڑھتا ہوا عوامی رجحان، سستی اشیاء غربت کی وجہ سے بھی خریدی جاتی ہیں اور پیسہ بچانے کے لئے بھی ملاوٹی اشیاء کی خرید وفروخت بند تو نہیں ہوسکتیں لیکن قانون کی سختی سے نفاذ اور عوام کے اندر شعور اور بیداری پیدا کر کے اس کے مضر اثرات پر کافی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔☆☆

مولانا اسعد اعظمی

استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

شاہ سعود بن عبدالعزیز کا ۱۷/روزہ تاریخی دورۂ ہند

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

عرب و ہند کے تعلقات مدت مدید اور ماضی بعید سے مختلف سطحوں پر اور متعدد جہات سے رہے ہیں۔ کچھ لوگ تو ہبوط حضرت آدم وحوا علیہما السلام از جنت عالی مقام کے بعد سے ہی اس سلسلہ علاقات اور رشتہ وناطہ کو جوڑتے ہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اعلیٰ مقام میں بھی اس وقت کے راجا کا ہدیہ کا پیش کیا جانا اور تکریم کرنا بعض تاریخی روایات کا حصہ ہیں اور اس طرح کے قصص وحکایات اور روایات طویل وکثیر ہیں۔ سرزمین حجاز قدر ومنزلت اور تقدس وطہارت کے اعتبار سے عرب ہی نہیں بلکہ معمورہ ارضی اور چہاردانگ عالم میں سب سے عظیم تر رہی ہے۔ قرون متاخرہ میں مسلمانوں کی زبوں حالی وبدحالی اور بے ثباتی جس طریقے سے ساری دنیا میں عام ہوتی چلی گئی اس کے من جملہ وجوہات میں سے سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کی سرچشمہ اسلام کتاب وسنت، توحید خالص اور اتباع سنت سے دوری اور اسلام کی ہمہ جہت تعلیمات سے عمل کی مہجوری رہی ہے۔ خصوصا عالم اسلام بالاخص عرب حتی کہ اہل حجاز بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات اور کتاب وسنت سے دوری کی وجہ سے انتہائی ناگفتہ بہ حالت اور بحرانی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ تہذیب وثقافت، علم وہنر، سیادت وقیادت ملکی اور عالمی سطح پر ان سے بالکل روٹھ اور چھوٹ گئی تھی۔ نتیجہ بایں جارسید کہ ضیوف الرحمٰن، حدی خوانان حرم اور زائرین شہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے قافلے دن دھاڑے سر راہ لوٹ لئے جاتے تھے اور کوئی ان کا پرسان حال تک نہ ہوتا تھا۔ اس وقت ساری دنیا کے مسلمان، عالم اسلام کے سارے شجعان اور تقدس حرمین وتحفظ مشاعر مقدسہ کے سارے علمبرداران کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی، البتہ بہت سے محبان وعاشقان دین وایمان، غیورینِ مقدسات، راحت خواہانِ مہمانانِ رحمٰن اور شیدائیانِ ارواح واجسام زائرینِ حرم یا تو راستوں کے غیر مامون اور حجاج کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے سقوط فریضہ حج وعمرہ کا فتوی دے کر یا تو اپنے فریضہ دینی وملی اور ایمانی سے سبکدوش ہوجاتے تھے یا پھر ان حجاج کرام کو فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے روانہ کرتے وقت آخری سلام وکلام کے ذریعہ بصد آہ وزاری اور بے قراری کا مظاہرہ کرتے نہیں تھکتے تھے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے چند موحدین کو ان کی توحید اور اتباع سنت کی برکت سے یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ وہ حجاز اور حرمین شریفین کی خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے صحیح معنوں میں خادمین حرمین شریفین کے لقب سے ملقب کئے جائیں، حتی الوسع اس کا حق ادا کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوں اور چہاردانگ عالم حتی کہ ان ممالک کے مسلمانوں کو جو اپنی سرزمین پر اپنی شناخت بھی ظاہر کرنے سے معذور ومجبور تھے، انہوں نے اپنی اسلامی وانسانی اسپرٹ، حکمت وہمت اور کتاب وسنت اور سلف کے منہج پر مبنی سیاست وقوت اور ثبات واستحکام بخشا، بلکہ من کل فج عمیق، مقام بعید اور اقصائے عالم سے وافدین حجاج ومعتمرین کو بصد سہولت وراحت وسکینت حرمین شریفین کی زیارت سے ان کو شاد کام کیا۔ یہاں تک کہ ملحدوں، لادینوں اور دین ومذہب کے منکروں کے بیچ میں مسلمانوں کو ان کے حقیقی دین سے روشناس کرایا اور ان کے دلوں میں بسنے والے مرکز اسلام مکہ ومدینہ تک ان کو کھینچ کر لانے کی سعادت حاصل کی۔ یہی اسلامی وانسانی اور قرآنی سیاست آل سعود کو دنیا کے ہر مسلم ملک سے خصوصا اور غیر مسلم دنیا سے عموما تعلقات استوار کرنے میں مفید تر ثابت ہوئی اور اسی سیاست کے ذریعہ روز اول سے ہمارے وطن عزیز ہندوستان سے جو ایشیا کا ایک عظیم الشان اور مسلم آبادی والا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے اور جو اپنی قدیم حکمت وہنرمندی، علم وثقافت اور جدید تعمیر وترقی کی وجہ سے دنیا بھر میں معروف ومشہور ہے، اپنے دوستانہ تعلقات استوار کیے اور اس طرح دوطرفہ ہمہ جہت استفادہ وافادہ کی راہیں کھلیں اور ہمارے وطن عزیز سے عظیم اسلامی وانسانی بنیادوں پر اپنے رشتہ اس وقت استوار کئے جب ہندوستان کو آزاد ہوئے ابھی چند ہی سال گزرے تھے۔ جب شاہ سعود علیہ الرحمۃ نے اپنا ۱۷ روزہ طویل دورہ ہند اہم ترین معاہدوں اور تبادلوں کے ساتھ مکمل کیے تھے۔ تب سے انہوں نے دونوں ملکوں کے عوام کے لیے بہت سے میدانوں میں افادہ واستفادہ کی مزید راہیں کھول دیں اور مضبوط بنیادوں پر اپنے اس رشتہ کو بطریق احسن استوار رکھا جو آج تک جاری وساری ہے۔ زیرنظر مضمون جسے معروف صاحب قلم مولانا اسعد اعظمی صاحب نے سپرد قلم کیا ہے اور تاریخ کے جھروکے سے ایک سنہری باب کا ذکر فرمایا ہے اس سے مملکت سعودی عرب اور وطن عزیز ہندوستان کے دیرینہ وقدیم تعلقات پر جہاں روشنی پڑتی ہے وہیں شاہان آل سعود، حکمرانان مملکت سعودی عرب اور علمبرداران توحید وانسانیت کی اسلامی سیاست، انسانی اخوت اور اسلامی مزاج ومرتبے کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہی اس مملکت خداداد کا طرہ امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مملکت کو توحید وسنت کی شاہ راہ پر گامزن رکھتے ہوئے اسلام پسندی، انسانیت نوازی، اخوت انسانی اور محبت کی فراوانی کے ساتھ ہمیشہ زندہ وپائندہ رکھے۔ آمین (ادارہ)

۱۹۴۷ء میں تقسیم اور آزادی کے بعد وطن عزیز ہندوستان میں تعمیر وترقی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ دوسو سالہ سامراجی عہد اور طویل جد وجہد کے بعد یہ

ملک، ملک والوں کو واپس ملا تھا۔ حکام سے لے کر عوام تک نے اس کی بازآبادکاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، منصوبے بنائے اور عملی اقدامات کیے۔ اندرون ملک اصلاحات کے ساتھ ہی باہر کی دنیا سے تعلقات مضبوط کرنے کی بھی کوششیں کی گئیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی عالم عرب اور عالم اسلام کے ایک نمایاں نمائندہ ملک مملکت سعودی عرب کے سربراہ کی خدمت میں صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد اور وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی جانب سے وطن عزیز کے دورہ کی دعوت بھی تھی۔ سربراہ مملکت شاہ سعود بن عبدالعزیز نے اس دعوت کو شرف قبول بخشا اور ایک بڑے حکومتی وفد کی قیادت کرتے ہوئے ۲۶/نومبر ۱۹۵۵ء کو ہند میں فروکش ہوئے اور ۱۷ دن تک ملک کے اطراف واکناف کی سیر کرنے کے بعد ۱۲/دسمبر ۱۹۵۵ء کو وطن اور اہل وطن کو خیرباد کہا۔

دورۂ ہند کے مقاصد:- شاہ سعود نے مختلف خطابات میں اپنے دورہ کے مقاصد کا کھل کر اظہار کیا اور بتلایا کہ یہاں میری آمد کے دو بنیادی مقاصد ہیں: پہلا مقصد یہاں کے اپنے مسلمان بھائیوں کی خبر گیری، کیوں کہ تقسیم کے بعد ملک میں ہندو مسلم فسادات کا جو لامتناہی سلسلہ چل پڑا تھا اور مسلمانوں کو جن ناگفتہ بہ حالات وابتلاءات کا سامنا کرنا پڑا تھا والی نجد وحجاز کو اس کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ اب جب کہ بہ نفس نفیس انھیں اپنے کلمہ گو بھائیوں سے روبرو ہونے کا موقع ملا تو ماضی کے اس سانحہ کے حوالے سے ان کے مستقبل کے تئیں وہ فکر مند تھے۔ مہمان مکرم نے دورے کا دوسرا مقصد یہ بتلایا کہ ہندوستان نے آزادی حاصل کرنے کے بعد کون سا طرز حکمرانی اختیار کیا اور ملک کی تعمیر وترقی کے لیے کیا کیا کوششیں کیں اور کر رہا ہے۔ ایک ملک کے سربراہ کی حیثیت سے یہ موضوع بھی ان کی خاص توجہ اور دلچسپی کا مرکز تھا۔

سفر کا روٹ:- شاہ عرب ۲۶/نومبر ۱۹۵۵ء کو ملک کی اقتصادی راجدھانی ممبئی پہنچے۔ پھر وہاں سے ۲۷/نومبر کو دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں پالم ہوائی اڈے پر صدر جمہوریہ، نائب صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور وزیر تعلیم سمیت وزراء اور ممبران پارلیامنٹ نے شایان شان استقبال کیا۔ ہوائی اڈے کے باہر ہزاروں کی تعداد میں ہر ملت ومذہب کے لوگ سعودی عرب کا جھنڈا ہاتھ میں تھامے نعرۂ تکبیر اور ''شاہ سعود زندہ باد'' کے نعروں سے آپ کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ پالم ہوائی اڈے سے راشٹرپتی بھون کا پورا راستہ ہند اور سعودی عرب کے دورویہ جھنڈوں سے سجا ہوا تھا اور راستے بھر کثیر تعداد میں لوگ سڑک کے دونوں طرف کھڑے شاہ سعود زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے، شاہ صاحب اپنے میزبانوں کے ساتھ راشٹرپتی بھون تشریف لائے۔ اسی دن شام کو مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف سے آپ کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا۔ اسی شب محترم صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کی طرف سے آپ کے اعزاز میں پرتکلف عشائیہ کا بھی پروگرام تھا۔

۲۸/نومبر کو لال قلعہ میں میونسپلٹی کی طرف سے آپ کو استقبالیہ دیا گیا۔ ۲۹/کی صبح آپ جامع مسجد تشریف لے گئے۔ راستہ میں ہزارہا افراد دورویہ آپ کے استقبال میں کھڑے آپ کے دیدار کے منتظر تھے۔ آپ نے مسجد کا معائنہ کیا اور دو رکعت نفل ادا کی۔ اسی دن لال قلعہ کے دیوان خاص میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے دیے گئے استقبالیہ میں شرکت فرمائی، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے صدر مولانا عبدالوہاب صاحب آروی نے عربی میں سپاس نامہ پڑھا، اس کے بعد حاضرین کو اس کا اردو ترجمہ سنایا گیا۔ شاہ صاحب نے کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں اپنے اس استقبال کے لیے شکریہ ادا کیا اور مسلمانوں کے مذہبی شعور کی تعریف فرمائی۔ آپ کے مشیر جمال الحسینی نے اس تقریر کا اردو ترجمہ سنایا۔ تقریب میں ایک ہزار کے قریب افراد موجود تھے۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے دیے گئے استقبالیہ میں بھی اسی دن شریک ہوئے۔ سہ پہر کو اپنے اسٹاف کے ہمراہ بین الاقوامی صنعتی نمائش کو ملاحظہ فرمایا۔

مولانا عبدالقدوس سہسوانی صاحب نے شاہ سعود کے دہلی دورے کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ: ''۲۷/نومبر کی صبح ہی سے شہر (دہلی) میں خاص چہل پہل تھی، شہر کے تمام بازاروں اور شاہراہوں پر ہند اور سعودی عرب کے جھنڈے لہرا رہے تھے، راستوں میں جگہ جگہ دروازے بنائے گئے تھے جن پر ہند سعودی عرب دوستی کے نعرے اور دیگر استقبالیہ نعرے لکھے گئے تھے۔ سعودی عرب کا جھنڈا جس پر کلمہ توحید اور تلوار کا نشان بنا ہوا ہے آج ہر جگہ لہرا رہا تھا۔ ہندو اور سکھ بھی سعودی عرب کے جھنڈے لیے ہوائی اڈے کی طرف رواں دواں تھے۔ یہ ارض مقدس کی برکت تھی کہ آج غیر مسلم بھی ''کلمہ گیر'' بن گئے تھے، آج کلمہ گو بھی مسرور تھے اور ''کلمہ گیر'' بھی۔ شاہ سعود کی آمد نے آج ان دیرنشینوں کو بھی کلمہ توحید کا علم بردار بنا دیا تھا......

''.....دوسرے دن شام کو لال قلعہ کے دیوان خاص میں میونسپلٹی کی طرف سے اعلی حضرت کو ایک استقبالیہ دیا گیا، لال قلعہ کو اس موقع پر خاص طور سے سجایا گیا تھا۔ نوبت خانے سے لے کر دیوان خاص تک جھنڈیاں اور پھول لگے ہوئے تھے، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ''ہند عرب دوستی زندہ باد''، ''شاہ سعود پائندہ باد''، اور ''نصر من اللہ وفتح قریب'' کے کتبے لگے ہوئے تھے۔ دیوان عام کے صدر دروازے پر کلمہ توحید ہندی رسم الخط میں لکھ کر آویزاں کیا گیا تھا......(اخبار اہل حدیث، دہلی: یکم دسمبر ۱۹۵۵ء، ص: ۱۸-۱۹)

شمالی ہند کی طرف کوچ:- دہلی میں تین دن قیام کے بعد یہ شاہی وفد حکومت ہند کی طرف سے تیار کی گئی ایک اسپیشل ٹرین کے ذریعہ شمالی ہند کے دورہ کے لیے نکلا۔ سب سے پہلے یہ قافلہ شملہ میں اترا اور وہاں کے خوبصورت اور پرفریب قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کے بعد آگرہ پہنچا۔ تاج محل اور تاریخی قلعہ کا مشاہدہ کیا۔ قلعہ کی جامع مسجد میں شاہ سعود نے نماز کی امامت بھی فرمائی۔ بعد ازاں علی گڑھ میں ورود ہوا۔ یہاں آپ کا زبردست خیر مقدم ہوا۔ یونیورسٹی میں ایک عظیم الشان خیر مقدمی

پروگرام ہوا جس میں آپ کو قانون کی ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا گیا۔شاہ صاحب یونیورسٹی اوراس کے ماحول سے بہت متاثر ہوئے۔

بنارس میں:- علی گڑھ سے یہ اسپیشل ٹرین بنارس پہنچی۔۴؍دسمبر کی صبح تقریباً ساڑھے آٹھ بجے پاسبان حرم مع قافلہ اسٹیشن پر اترے۔شاہ کے بنارس دورے کی ایک رپورٹ قاری احمد سعید بنارسی رحمہ اللہ نے تیار کی تھی جسے میں انھیں کے الفاظ میں نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔قاری صاحب نے سرخی لگائی: ’’پاسبان حرم سلطان سعود کا ورود مسعود بنارس میں‘‘ اس کے بعد لکھتے ہیں:

’’جب سے یہ خبر ہوئی کہ والی نجد وحجاز بنارس بھی تشریف لائیں گے اہل بنارس سراپا انتظار تھے۔تاریخ آمد سے چند روز پہلے استقبال اورخوش آمدید کی عظیم الشان تیاریاں ہورہی تھیں،ہر شخص اپنی جگہ اشتیاق میں سیماب نما ہوا تھا۔۳؍دسمبر کی شب تو لوگوں نے اس طرح گزاری گویا سلطان کی آمد اپنے جلو میں سینکڑوں عیدیں لارہی ہے۔شہر میں جگہ جگہ پھاٹک سجائے جارہے تھے،سڑکوں پر ایک میلہ سا لگ رہا تھا۔

۴؍دسمبر کو پونے آٹھ بجے بنارس چھاؤنی پر سب سے پہلے ایک انجن آیا جس پر عرب وہند کا جھنڈا لہرارہا تھا،پھرایک اسپیشل ٹرین آٹھ بجے آئی جس پر فوجی لوگ مسلح بیٹھے تھے۔ٹھیک آٹھ بج کر بیس منٹ پر مخصوص ٹرین میں سلطان سعود مع اپنے ساتھیوں کے جلوہ افروز ہوئے۔اسٹیشن بنارس چھاؤنی کو خوب سجایا گیا تھا اور بالکل خالی تھا۔صرف فوج اور پولس وحکام وافسران موجود تھے،پلیٹ فارم پر قالین بچھا ہوا تھا۔خوش آمدید کہنے والے مخصوص اور ممتاز لوگ تھے جن کے پاس سرکاری اجازت نامہ تھا۔سب سے پہلے مملکت سعودیہ کے سفیر برائے ہند یوسف فوزان (جو پہلے ہی بنارس تشریف لاچکے تھے) سلطان سے ملے،پھر سلطان باہر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں کو سلام کیا۔مسلمانوں میں خوش آمدید کہنے والے مولانا عبدالمجید حریری،مولانا عبدالمتین صاحب،حاجی عبدالحق صاحب،مولوی عبدالحی صاحب،محمد الیاس صاحب،مولوی محمد زبیر صاحب،حاجی محمد صدیق صاحب،مولوی حافظ ابوالقاسم صاحب وجناب عبیدالرحمٰن صاحب اور میں موجود تھا۔اسٹیشن پر سلطان کے لیے مخصوص راستہ بنایا گیا تھا۔پلیٹ فارم پر کاریں موجود تھیں،سلطان مع اپنے ساتھیوں کے اترے اور راجہ صاحب بنارس کے یہاں رام نگر کو روانہ ہوئے۔رام نگر میں بڑا شاندار انتظام تھا،خوب سجایا گیا تھا۔راجہ صاحب کی جانب سے سلطان سعود کا جلوس ہاتھی پر نکالا گیا،ہاتھی کو سبز رنگ سے رنگین کردیا گیا تھا۔

وہاں سے واپسی دریا سے ہوئی،کیوں کہ دریا سے بنارس کا نظارہ بڑا ہی خوش نما معلوم ہوتا ہے۔گیارہ بج کر کچھ منٹ پر سلطان کی کار مدن پورہ روڈ پر آئی۔یوں تو پورا شہر سجایا گیا تھا،لیکن مدن پورہ روڈ کو تو بالکل دلہن بنادیا گیا تھا۔سڑک اور مکانوں پر انسانوں کا سمندر لہریں ماررہا تھا۔حکام اور کوتوال شہر کی خوش انتظامی اور بیدار مغزی کی وجہ سے پورے ہجوم پر سخت کنٹرول رہا اور ذرا بھی بدنظمی نہ ہوئی۔پٹریوں پر بانس لگے ہوئے تھے،ان سے باہر کوئی قدم نہ رکھ سکتا تھا۔مدن پورہ کا ہر پھاٹک بنارسی ساڑیوں،عرب وہند کے جھنڈوں اورخوش نما کتبوں سے آراستہ وپیراستہ تھا۔عرب-ہند دوستی کے نعرے لگ رہے تھے۔سلطان کی موٹر جامعہ رحمانیہ سے متصل مدن پورہ روڈ پر اس جگہ ایک منٹ کے لیے رکی جہاں سڑک پر پھول بچھے ہوئے تھے۔جماعت اہل حدیث کی جانب سے ہار پہنایا گیا،اورسلطان ہندو یونیورسٹی کو روانہ ہوگئے۔

اس جشن استقبال کے موقع پر اطراف وجوانب الہ آباد،جون پور،اعظم گڈھ،مئوناتھ بھنجن،مئوآئمہ کے اہل حدیث بھی بکثرت آئے تھے۔دارالاقامہ جامعہ رحمانیہ مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔‘‘(اخبار اہل حدیث،دہلی:۱۵؍دسمبر۱۹۵۵ء۔ص:۱۴)

’’تاریخ آثار بنارس‘‘ مولفہ مفتی عبدالسلام نعمانی مجددی میں آیا ہے کہ’’اس دن ان (شاہ سعود) کی گزرگاہوں میں پڑنے والے تمام ہی مندروں کو کپڑوں سے ڈھانک دیا گیا تھا۔اس صورت حال سے متاثر ہوکر بنارس کے ہردل عزیز شاعر جناب نذیر بنارسی (متوفی ۱۹۹۶ء) نے ایک شعر کہا تھا جو عام طور سے زبان زدعوام وخواص ہے:

ادنیٰ سا غلام ان کا گذرا تھا بنارس سے
منھ اپنا چھپاتے تھے کاشی کے صنم خانے‘‘ (ص:۳۰۳)

مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ’’اس دن تمام مندروں اورتمام سرکاری عمارتوں پر ایک جھنڈا لگایا گیا تھا جس پر کلمہ شریف تحریر تھا۔شاہ کے استقبال پر بنارس کے مسلم وغیر مسلم دونوں نے بیک زبان نعرۂ تکبیر بھی بلند کیا تھا۔‘‘(ص:۳۰۲)

شاہ سعود اور جامعہ سلفیہ بنارس:

شاہ سعود ۱۹۵۵ء میں بنارس آئے تھے۔اور جامعہ سلفیہ کا قیام ۱۹۶۳ء میں مرکزی دارالعلوم کے نام سے عمل میں آیا۔سنگ بنیاد کے موقع پر ذمہ داران جماعت نے سلطان مکرم کو بھی شرکت کا خصوصی دعوت نامہ بھیجا تھا،آپ نے جواب میں جامعہ کے قیام پر خوشی کا اظہار فرمایا اوراپنی مصروفیات کے پیش نظر شرکت سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے ہندستان میں اپنے سفیر کو بتاکید شرکت کا حکم دیا اوران کے ذریعہ بھی اورخط کے ذریعہ بھی اپنا پیغام بھجوایا۔شاہ صاحب کے ٹیلی گرام کے الفاظ یہ ہیں:

رئيس مؤتمر أهل الحديث بالهند بواسطة حاجی علی جان صاحب دهلی

وصلنا كتابكم المؤرخ ۶/۱۱/۱۹۶۳م وأحطنا علما بما ذكرتم من العزم على تأسيس جامعة سلفية ورغبتكم مشاركتنا بحضور حفلة التأسيس. اننا مع شكرنا لجهود أهل الحديث فى المجال الاسلامى وتمنياتنا لهم بالتوفيق الدائم نود أن نعلمكم بأننا قد أبرقنا سفيرنا بالهند بما يلزم بخصوص طلبكم راجين أن تكلل جهودكم بالنجاح. سعود

صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس،کیرآف حاجی علی جان صاحب دہلی:

آپ کا ۶؍نومبر ۱۹۶۳ء کا مکتوب موصول ہوا۔آپ نے اہل حدیث یونیورسٹی کے سنگ بنیاد کا جو ارادہ ظاہر کیا ہے اس سے آگاہی ہوئی۔آپ نے جلسہ تاسیس میں ہماری شرکت کی خواہش کی ہے، جماعت اہل حدیث اسلامی کاز کے لیے جو جدوجہد کررہی ہے اس پر ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ہماری نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔اللہ ہمیشہ نیک توفیق عطا کرے۔

ہم آپ کو اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ہندستانی سفیر کو تار بھیجا ہے کہ آپ حضرات کی درخواست کے تعلق سے کارروائی کریں۔ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی کوششوں کے سر کامیابی کا سہرا بندھے گا۔(سعود)۸/۷/۱۳۸۳ھ=۲۴/۱۱/۱۹۶۳ء

(پندرہ روزہ ترجمان: تاسیس نمبر، یکم دسمبر ۱۹۶۳ء)

اس وقت ہندوستان میں سعودی عرب کے سفیر شیخ یوسف الفوزان تھے۔انھوں نے باہتمام سنگ بنیاد کے پروگرام میں شرکت فرمائی۔اس موقع پر خصوصی اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”... یہاں جو ذمہ داری مجھ پر ہے اور وفاداری کا جو تقاضا ہے اور حلف وفاداری جس بات کی مقتضی ہے اس کی بنا پر سب سے پہلے تو آپ کے بھائی کا پیغام محبت اور سلام آپ کے پاس لے آیا ہوں۔آپ کے بھائی سعود بن عبدالعزیز بن عبد الرحمٰن الفیصل آل سعود آپ کو دلی مبارک باد دیتے ہیں، وہ بہت خوش ہیں کہ یہاں ایک جامعہ کھل رہا ہے جو ایک چراغ توحید ہوگا، اس کی روشنی فقط اس شہر ہی میں نہیں بلکہ اس ملک میں اور اس ملک کے پڑوس کے ملکوں میں پھیلے گی۔

آپ کے دوسرے بھائی فیصل بن عبدالعزیز جو ولی عہد اور وزیر اعظم ہیں ان کا بھی حکم ہے کہ آپ کو ان کا سلام دعا اور پیغام مبارک بادی دوں۔اس لیے میں ان دونوں کی طرف سے آپ کو دعا سلام اور پیغام مبارک بادی دیتا ہوں۔ بادشاہ معظم نے تو آپ کے صدر کو ایک ٹیلی گرام بھیجا ہے اور مجھے بتایا ہے کہ منزل دور ہونے اور مملکت کے مشاغل کی وجہ سے میں حاضر نہیں ہوسکا اور آپ کی دعوت کو لبیک نہیں کہہ سکا، لیکن تم میری طرف سے دعوت قبول کرو اور جاؤ، ان سے کہو کہ میرا دل اور میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں، میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوں، اللہ تعالی ان کو توفیق دے کہ سلف صالحین کی سنت کو ہمیشہ قائم اور توحید کا علم بلند رکھیں۔

یہ تو پیغام ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ بنارس کے اس شہر سے آپ کے بھائی بادشاہ معظم کو بہت انس ہوا کیوں کہ خلوص کے ساتھ ان کا جو استقبال ہر مواطن اور ہر طبقے کی طرف سے یہاں ہوا، مہاراجہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے آدمی تک ہر ملت اور ہر شہری کی طرف سے جس طرح ان کا خیر مقدم ہوا وہ اب تک تازہ اور انھیں یاد ہے۔پھر خوشی ڈبل ہوجاتی کہ توحید کا ایک بہت بڑا مرکز جس کی بنیاد آج یہاں ڈالی جاتی ہے اس میں جلالۃ الملک روحانی طور پر دور سے آپ کے ساتھ شرکت کرتے ہیں، آپ کو مبارک بادی دیتے ہیں اور اللہ تعالی سے امید کرتے ہیں کہ اس جلسے کو، اس ادارے کو، اس قوم کو اور اس ملت کو ہمیشہ با برکت بنا کر خیر کی توفیق دے۔“

(مرجع سابق)

بنارس سے واپسی:- بنارس سے پھر بذریعہ ٹرین یہ قافلہ ناگپور کے لیے روانہ ہوا۔راستے میں مختلف اسٹیشنوں پر جھنڈوں، پھولوں اور نعروں کے ساتھ استقبال ہوتا رہا۔ ناگپور سے بذریعہ ہوائی جہاز حیدرآباد قافلہ پہنچا، جہاں نظام حیدرآباد اور دیگر اعیان شہر کی طرف سے زبردست استقبال ہوا۔ یہاں مختلف استقبالیہ پروگراموں میں شرکت اور شہر کے علمی وصنعتی اداروں کے معائنہ کے بعد شاہ اور ان کے مصاحبین بنگلور وارد ہوئے۔ یہاں بھی وفد نے متعدد صنعتی وٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹس کا مشاہدہ کیا اور اس میدان میں ہندوستان کی پیش رفت سے کافی متاثر ہوا۔ یہ ۶؍دسمبر کا دن تھا، اسی دن اس قافلہ نے شہر میسور کا بھی دورہ کیا۔ وہاں سے سیدھے ممبئی کے لیے واپسی ہوئی۔ جہاں تین دن قیام رہا۔ یہاں پر بھی موجود طبی وسائنسی اداروں، صنعتی کارخانوں اور علمی اداروں کے معائنے اور جائزے کا سلسلہ جاری رہا۔ممبئی میں قیام کے دوران یہاں کی مختلف دینی وسماجی وثقافتی تنظیمات وجمعیات کی طرف سے استقبالیہ پروگرام میں بھی شرکت ہوئی۔ ممبئی کے قیام کے دوران وہاں کی تاریخی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز میں سلطان نے امامت بھی کرائی۔ یہ عظیم الشان مسجد اپنی تمام تر وسعت کے باوجود اس دن تنگی کا شکوہ کررہی تھی۔

اختتام سفر:- ۱۲؍دسمبر کو یہ معزز شاہی وفد ممبئی سے وطن واپس ہوا۔سلطان معظم نے اپنے مختلف خطابات میں اپنے دورے کے دونوں بنیادی مقاصد کے تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ یہاں کے مسلمانوں کے تعلق سے آپ نے اطمینان کا اظہار فرمایا اور کہا کہ میں صرف حکومتی ذمہ داروں کے بیانات اور یقین دہانی پر یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہاں کے متعدد مسلم رہنماؤں اور نمائندوں سے بھی میں نے حقیقت حال جاننے کی کوشش کی ہے۔ پھر آپ نے ملک کے اطراف واکناف میں دو ہفتہ سے زائد کا عرصہ بھی گزارا تھا اور قومی یکجہتی اور آپسی بھائی چارے کے بے شمار نمونے اور مثالیں بھی ملاحظہ فرمائی تھیں۔

دوسری طرف ہندوستان کی سیاسی، ثقافتی، علمی وسائنسی ترقی پر آپ نے اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور یہاں کے پنج سالہ ترقیاتی منصوبے سے بہت متاثر نظر آئے۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی اور قیام امن کی کوششوں کا بھی ذکر کیا۔

مختصر یہ کہ شاہ سعود کا دورۂ ہند دونوں ملکوں کے مابین تعلقات کو مضبوطی دینے میں سنگ میل ثابت ہوا۔اس دورہ نے دونوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کردیا۔ یہاں کی مسلم اقلیت کو بھی اس دورہ سے کافی حوصلہ ملا۔ آزادی کے بعد اتنے کم وقت میں ملک نے مختلف میدانوں میں جو ترقی کی اس سے شاہ عرب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

☆☆☆

سعودی عرب کا تعلیمی سفر

مولانا محمد ابراہیم سجاد تیمی

تعلیم خلافتِ ارضی کے استحقاق کا سب سے پائیدار وثیقہ ہے۔ تعلیم کسی بھی قوم کی تعمیر وترقی کی بنیاد، فقر وغربت کے خاتمے کا ذریعہ اور انسانی زندگی کے گوناگوں مسائل کا حل ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے مسلمان ان حقائق سے خوب واقف وآشنا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ابتدائے اسلام سے پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر تک تعلیم وتعلم کو اپنی ترجیحاتِ زندگی میں سرِ فہرست رکھا۔ ایڈورڈ گبن براؤن (1862-1926) نے اس کی شہادت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "جب خلفائے بغداد وقرطبہ نے اپنی رعیّتوں کے لیے لازمی قرار دے رکھا تھا کہ ان کا ہر بچہ اور بچی بارہ سال کی عمر تک اچھی طرح لکھنا پڑھنا سیکھ جائے، اس وقت یورپ کے راجے مہاراجے اور ان کی رانیاں بھی بہ مشکل اپنا نام لکھنا جانتے تھے" (Literally A History of Persia, 1902)۔ اسلامی تاریخ کا یہی وہ سنہری دور تھا جس میں مسلمانوں نے مُسلسل آٹھ صدیوں تک علم وفن کے ہر میدان میں کامیابی کا پرچم لہرائے رکھا، دنیائے علم ومعرفت کے بے تاج بادشاہ رہے اور پوری دنیا کو علم کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور کیا۔ بہت سارے غیر مسلم مغربی مفکرین ومورخین نے کھلے لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ اسی علم ومعرفت کا نتیجہ تھی جسے یورپین طلبہ نے بغداد وقرطبہ کی بلند پایہ درسگاہوں میں زانوئے تلمذ تہہ کر کے حاصل کیا تھا۔ لیکن پندرہویں صدی کے گزرتے گزرتے عالمِ اسلام کو یکبارگی نہ جانے کیا ہو گیا کہ اس نے تعلیم وتعلم کا دامن ہاتھ جھٹک کر چھوڑ دیا اور چار صدیوں کے عرصے میں دنیا کی تمام اقوام سے علم وفن کے میدان میں بری طرح پچھڑ گیا۔ مورخ ڈونالڈ کواٹرٹ نے تعلیمی میدان میں مسلمانوں کی اسی زبوں حالی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انیسویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں کی تعلیمی شرح دو سے تین فی صد تھی۔ بیسویں صدی کے نصف تک بھی ان کا تعلیمی تناسب اطمینان بخش نہیں تھا۔ مصر، تیونس، اردن، کویت، ایران، ملائیشیا، شام، ترکی اور البانیہ ہی معدودے چند ایسے مسلم اکثریتی ممالک تھے جن کی شرح خواندگی تیس فی صد سے قدرے زیادہ تھی۔

سعودی عرب اور تعلیم عامہ: مورخ ڈونالڈ کے اس بیانیے ہی سے بہ شمولِ عالمِ اسلام، اس وقت کے سعودی عرب کی تعلیمی زبوں حالی کا اندازہ بھی بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت حجاز ونجد کا پورا علاقہ جہالت و نادانی اور اوہام پرستی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ عصری تعلیم کا تو خیر سے کوئی تصور بھی وہاں ناپید تھا، مگر دینی تعلیم بھی مکاتب کی چہار دیواری میں مقید تھی۔ اگرچہ اس تعلیمی پسماندگی کو ختم کرنے اور تعلیم کو عام کرنے کا پہلا اقدام 1157ھ میں محمد بن سعودؒ اور محمد بن عبدالوہابؒ کے درمیان طے پانے والے تعلیمی معاہدہ کی صورت میں سامنے آیا لیکن وہ معاہدہ محض دین کی اساسی تعلیمات کے فروغ واشاعت تک محدود تھا اور 1234ھ میں سقوطِ درعیہ اور آل سعود کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی خود بھی ختم ہو گیا۔ واضح رہے کہ موجودہ سعودی عرب پر، جس کی بنیاد شاہ عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں 23/ستمبر 1932ء میں پڑی تھی، موجودہ حکمراں شاہ سلمان بن عبدالعزیز کے علاوہ چھ حکمراں حکومت کر چکے ہیں۔ ویسے تو اب تک کے ساتوں سعودی حکمرانوں نے ملک کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھانے میں اپنی ہر ممکن کوشش صرف کی ہے، مگر ان میں سے چار حکمرانوں شاہ عبدالعزیز، شاہ سعود بن عبدالعزیز، شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز اور شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی اس سلسلے میں کی گئی بے پناہ کوششیں بطورِ خاص قابلِ ذکر وتحسین ہیں۔ 1319ھ میں جب شاہ عبدالعزیز نے ریاض کو فتح کر کے اسے سعودی قلمرو میں شامل کیا اور حکومت قدرے مستحکم ہو گئی تو انہوں نے تعلیم وتعلم کے فروغ پر امکان بھر توجہ دی۔ اس ضمن میں انہوں نے سب سے پہلے نظامِ ہجر نافذ کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ خانہ بدوشوں اور بدویوں کو بستیوں اور شہروں میں بسا کر زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جائے اور ان کی ایسی منظم تربیت کی جائے کہ وہ اچھے شہری بن کر ملک وقوم کی خدمت کر سکیں۔ اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے ملک کا پہلا تعلیمی ڈائریکٹوریٹ قائم کیا جو تعلیم کے فروغ میں واقعی سنگ میل ثابت ہوا۔ 1345ھ میں سعودی علمی معہد کا قیام بھی عمل میں آیا جس کا مقصد ابتدائی تعلیمی مراحل کے لیے قابل اساتذہ فراہم کرنا تھا۔ 1356ھ میں سعودی عرب میں پہلا سکنڈری وسینئر سکنڈری معیار کا اسکول کھلا۔ پھر 1366ھ میں مکہ مکرمہ میں پہلا شریعت کالج کھلا جس کا مقصد سینئر سکنڈری معیار کے مدارس کو قابل اساتذہ فراہم کرنا تھا۔ 1373ھ میں اسی معیار کا ایک شریعت کالج ریاض میں بھی قائم کیا گیا۔

سعودی عرب میں تعلیم کی ترویج واشاعت میں شاہ سعود نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ انہوں نے ہی 1373ھ میں مستقل وزارتِ تعلیم کی بنیاد رکھی۔ انہی کے دورِ حکومت میں شاہ سعود یونیورسٹی، اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ، امام محمد بن سعود یونیورسٹی، پٹرول ومعدنیات کالج، شاہ عبدالعزیز ملٹری کالج وغیرہ کا قیام عمل میں آیا جس سے تعلیمی جہات کو پائیدار وسعت نصیب ہوئی۔ عصری علوم کے حصول کی بنیاد بھی انہی کے دورِ حکومت میں پڑی۔ دینی وعصری علوم کے حسین امتزاج پر مشتمل وہ مستحکم بنیاد جسے شاہ سعود نے کھڑی کی تھی، اسی پر بعد کے حکمرانوں نے تعلیم وتربیت کی نہایت مستحکم عمارتیں تعمیر کیں۔ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے سعودی عرب کی

زمامِ حکومت سنبھالی تو انہوں نے پورے ملک میں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جال ہی بچھا دیا۔ انہی کے دورِ حکومت میں پہلی بار پنج سالہ تعلیمی منصوبہ متعارف کرایا گیا جس کا بجٹ تیس بلین سعودی ریال تھا۔ یہی روش موجودہ سعودی حکمراں شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے اختیار کی۔ انہوں نے سعودی تعلیمی کینوس کو مزید وسعت و فراخی دیتے ہوئے سائنس وٹکنالوجی اور تحقیقی اداروں کے قیام اور ان کے معیارِ تعلیم کو بلند سے بلند تر کرنے پر بھرپور توجہ دی۔ ان نیک دل اور علم وعلما پرور حکمرانوں کی متفقہ تعلیمی مساعی کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ سعودی عرب شرح خواندگی کے معاملے میں بر وقت پوری مسلم دنیا میں ترکی کے ساتھ اول نمبر پر براجمان ہوگیا ہے۔ ورلڈ بینک اور یونیسکو کے تیار کردہ اعداد وشمار (2018) کے مطابق، بروقت 25 مسلم اکثریتی ممالک کی شرح خواندگی اوسطاً 90 فی صد تک پہنچ گئی ہے جن میں سعودی عرب اور ترکی 95 فی صد شرح خواندگی کے ساتھ پورے عالمِ اسلام میں اول نمبر پر ہیں۔ مزید برآں، پہلے دنیا کی 1102 بہترین یونیورسٹیوں میں سعودی عرب کی صرف پانچ یونیورسٹیاں شامل تھیں لیکن حال ہی میں یونیورسٹیوں کی عالمی درجہ بندی میں مزید 15 سعودی یونیورسٹیوں کو جگہ ملنے کے بعد یہ تعداد بیس ہوگئی ہے۔

سعودی عرب اور تعلیمِ نسواں: محض نصف صدی پہلے تک عالمی پیمانے پر مسلم خواتین کی شرح خواندگی بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ سعودی عرب اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ لیکن اب اس صورت حال میں حیرت انگیز تبدیلی آئی ہے۔ مسلم خواتین نہ صرف دینی علوم ومعارف کے حصول کے میدان میں، بلکہ عصری تعلیمی میدان میں بھی نہایت شاندار مظاہرہ کررہی ہیں۔ مشن اسلام ڈاٹ کام کی رپورٹ کے مطابق، 13 مسلم اکثریتی ممالک مثلاً بحرین، برونئی دار السلام، کرغیزستان، لبنان، قطر اور ترکی وغیرہ ایسے ہیں جن کی سائنس گریجویٹ خواتین کی تعداد امریکی سائنس گریجویٹ خواتین سے بھی زیادہ ہے، جبکہ مراکش کی مسلم انجینئرنگ گریجویٹ خواتین کی تعداد امریکی سائنس گریجویٹ خواتین سے زیادہ ہے۔ سعودی عرب کی خواتین بھی تعلیم کے میدان میں اپنا دبدبہ قائم کرنے میں کوشاں ہیں۔ موجودہ سعودی عرب کے قیام سے پہلے تک سعودی خواتین تعلیم کے میدان میں دنیا کی پسماندہ ترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ سب سے پہلے سعودی عرب کے بنیاد گزار حکمراں شاہ عبدالعزیز نے تعلیمِ خواتین پر توجہ دی۔ شاہ سعود نے ان کے اس مشن کو مستعدی کے ساتھ بال و پر عطا کیے۔ انہی کے دورِ حکومت 1964 میں سعودی عرب کا اولین تعلیم نسواں کا ادارہ وجود میں آیا۔ یہ سلسلہ شروع ہوا تو اس میں تیز رفتاری آتی گئی اور 1990 کے اختتام تک سعودی عرب کے گوشے گوشے میں تعلیم نسواں کے بے شمار ادارے کھل گئے۔ سعودی خواتین نے حکومت کی عطا کردہ سہولیات سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے تعلیمی گراف کو بلند سے بلند تر کرلیا۔ آج وہ سعودی مردوں کی 76 فیصدی شرح خواندگی کے مقابلے میں 71 فی صد شرح خواندگی کے ساتھ ان سے صرف پانچ فیصدی ہی پیچھے رہ گئی ہیں۔ تاہم حالات بتا رہے ہیں کہ وہ بہت جلد اپنے مقابل سے تعلیم کے میدان میں سے آگے بڑھ جائیں گی، کیوں کہ وہ تعلیم کے ہر میدان میں کہیں مردوں کے بالمقابل تھوڑی کم، کہیں برابر اور کہیں ان سے زیادہ اپنی موجودگی درج کرا رہی ہیں۔ مجموعی طور پر مسلم دنیا کی 41 یونیورسٹیاں ایسی ہیں جن میں طالبات کی تعداد طلبا سے زیادہ ہے۔ ان میں سے 11 یونیورسٹیوں میں طالبات کا تناسب 65 اعشاریہ 35 فی صد ہے۔ سعودی عرب کی امام عبدالرحمٰن بن فیصل یونیورسٹی میں تو طالبات کا تناسب 81 اعشاریہ 19 فی صد کے ساتھ دنیا بھر میں سب سے اوپر ہے۔ متحدہ عرب امارات یونیورسٹی طالبات کے 79 اعشاریہ 21 فی صد تناسب کے ساتھ دوسرے نمبر پر، قطر یونیورسٹی 73 اعشاریہ 27 فی صد طالبات کے ساتھ تیسرے نمبر پر اور کویت یونیورسٹی 72 اعشاریہ 28 فی صد طالبات کے ساتھ چوتھے نمبر پر ہے۔ یہ منظرنامے مسلم خواتین کے تعلیمی میدان میں شاندار مستقبل کا یقینی طور پر غماز ہیں۔

اعترافِ حقیقت: تعلیمی میدان میں سعودی عرب یہ حیرت انگیز پیش رفت درج کرانے میں راتوں رات یوں ہی کامیاب نہیں ہوگیا ہے، بلکہ کئی امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے اسے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہاں تمام مراحل کی تعلیم نہ صرف مفت دی جاتی ہے بلکہ ماہانہ وظائف کے علاوہ نصابی کتب اور طبی سہولیات بھی بالکل مفت فراہم کرائی جاتی ہیں۔ گریجویشن مکمل ہونے کے بعد ہر طالب/ طالبہ کو نوکری ملنے تک تین ہزار سعودی ریال ماہانہ دیے جاتے ہیں تاکہ وہ بے روزگاری سے پریشان نہ ہوں۔ جو طلبہ وطالبات بیرون ملک تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے حکومت کی طرف سے مکمل اسکالرشپ کا انتظام ہے۔ یونیسکو کے تیار کردہ اعداد وشمار کے مطابق سعودی عرب، اپنے طلبہ وطالبات کو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بھیجنے والے دنیا کے دس سرِ فہرست ممالک میں سے ایک ہے۔ 2017 میں بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے والے دنیا بھر کے طلبا و طالبات میں سعودی طلبا وطالبات کی شرح پورے پانچ فی صد تھی۔ کسی بھی حکومت کی طرف سے 2005 میں لانچ کیے جانے والے دنیا کے سب سے بڑے کنگ عبداللہ اسکالرشپ پروگرام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بروقت دو لاکھ سے زیادہ سعودی طلبا وطالبات 30 غیر ملکی یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ دوسری طرف، سعودی عرب دنیا کے ہزاروں غیر ملکی طلبا کو بھی مکمل اسکالرشپ کے ساتھ اپنی یونیورسٹیوں میں تعلیم وتربیت دینے کا انتظام کرتا ہے جس سے پوری دنیا میں عربی واسلامی علوم وفنون کی روشنی بکھر رہی ہے۔ قصہ مختصر، سعودی عرب تعلیم کے میدان میں بروقت جو سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے، وہ عدیم المثال ہیں۔ وہ مرد وخواتین دونوں کو تعلیم یافتہ بنانے میں جو کوششیں صرف کررہا ہے، وہ دنیا والوں کے لیے یقیناً مشعلِ راہ ہیں۔

☆☆☆

فیضان اشرف

حافظ وڈاکٹر عبدالحئی مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اس سال رمضان کے مبارک مہینہ میں بہت سارے عوام وخواص اس دارفانی سے رخصت ہوگئے ،انہیں میں سے ہمارے خانوادے کے ایک لائق وفائق اور باوقار شخصیت کے حامل حافظ وڈاکٹر عبدالحئی مدنی بھی ہم سے جدا ہوگئے ۔''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''

نام ونسب: عبدالحئی بن حاجی عبدالحمید بن مولانا محمد حامد بن حاجی عبدالرحمٰن شہید بن مولوی حکیم جمال الدین بن شیخ ببواحکیم بن حاجی ڈومن۔

صاحب تذکرہ حافظ عبدالحئی مدنی رحمہ اللہ نے ایک بار ذکر کیا تھا کہ میری والدۂ محترمہ بچیوں کو ناظرہ قرآن اوراردو وغیرہ لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیتی تھیں ،عورتوں کو مشکوٰۃ المصابیح کا درس بھی دیتی تھیں اور فجر کی نماز کے لئے بیدار کرتی تھیں۔

تاریخ ومقام پیدائش: یکم جولائی ۱۹۵۲ء کو محلّہ جمال پورہ مئوناتھ بھنجن یوپی میں پیدا ہوئے۔لیکن کاغذات پر آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹۵۰ء ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے دادا مولانا محمد حامد مدرسہ عالیہ سے عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی کے ساتھ مئو سے آرہ پہونچے ، مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا، اس کے بعد دونوں بھائی دہلی گئے اور شیخ الکل میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے پڑھ کر سند حاصل کی، دہلی میں ڈپٹی نذیر احمد سے بھی عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کا سن وفات ۱۸/اکتوبر ۱۹۱۳ء ہے، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ...

مولانا ممدوح کے والد عبدالحمید عالم دین تو نہیں تھے مگر ایک معزز اور باوقار شخصیت کے حامل تھے۔

تعلیم وتربیت: گھریلو روایت کے مطابق ناظرہ قرآن پڑھنے کے بعد جامعہ عالیہ عربیہ مئو کی سب سے قدیم عمارت محلّہ جمال پورہ مئو میں داخلہ کرایا گیا۔ حافظ احمد اللہؒ کے مدرسہ سے مستعفی ہونے کے بعد جامعہ مفتاح العلوم کی شاخ ڈومن پورہ کساری میں حافظ اسماعیل مئویؒ سے حفظ القرآن کی تکمیل کی سعادت حاصل کی، پھر اسی ادارہ میں درجہ پانچ سے درجہ آٹھ منشی تک فارسی کی تعلیم حاصل کی آپ کا تعلیمی شوق دہلی لے گیا وہاں آپ نے مدرسہ ''سبل السلام'' پھاٹک حبش خاں دہلی میں عربی کی پہلی جماعت میں داخلہ لیا ایک سال بعد ''جامعہ اعظم'' بلّی ماران دہلی میں داخلہ لے کر عربی کی دوسری اور تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی کہ آپ کی دینی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا چنانچہ مئو آ گئے اس کے بعد عصری تعلیم میں منہمک ہوگئے ''مسلم انٹر کالج'' مئو سے ۱۹۷۰ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا، انٹر کرنے کے لئے شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ گئے وہاں انٹر کا پہلا سال مکمل کرنے کے بعد ''مجیدیہ اسلامیہ'' انٹر کالج لکھنؤ سے ۱۹۷۲ء میں انٹر پاس کر کے الہٰ آباد یونیورسٹی میں داخلہ لیا وہاں سے ۱۹۷۴ء میں بی۔اے اور ۱۹۷۶ء میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد پھر دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، ایم۔اے کرنے کے بعد جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے کہ اسی دوران آپ کا انٹر کی مارکشیٹ سے عالم اسلام کی مایہ ناز یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوگیا، ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ چلے گئے چار ماہ ''معہد اللغہ'' میں تعلیم حاصل کر کے ۱۹۸۰ء میں ''کلیۃ القرآن'' میں داخل ہوئے چار سال مکمل کورس کر کے ۱۹۸۴ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کر کے اپنے وطن مئو واپس ہوئے ،اسی دوران آپ نے وہاں اربعہ عشرہ کی قراءت بھی پڑھی، اس کے بعد لکھنؤ سے ہومیو پیتھک میں ایم۔بی۔اے۔ایچ اور ایم۔بی کی ڈگری حاصل کی۔

ان کے اساتذہ کرام میں مدرسہ عالیہ مئو کے اساتذہ میں مولانا عبدالعلی مظاہری مئویؒ، حافظ احمد اللہ مئویؒ وغیرہ اور جامعہ مفتاح العلوم مئو کے اساتذہ میں حافظ محمد اسماعیل مئویؒ، منشی حفیظ الرحمٰن مئویؒ، منشی مختار مئویؒ، مولانا رفیع اللہ مئویؒ، مولانا محمد سلطان مئویؒ اور جامعہ اعظم دہلی کے اساتذہ قاری ومولانا زبیر فیضی مبارکپوریؒ، مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ، مولانا عبدالسلام کشمیریؒ وغیرہ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے استاذہ میں عبدالعزیز قاری بخارا، قاری عبدالرحمٰن الحذیفی، ڈاکٹر عثمان سوڈانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات: ۱۹۷۴ء میں بی۔اے کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں چار یا پانچ مہینہ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ایم۔اے کرنے کے لئے الہٰ آباد چلے گئے۔ ۱۹۷۶ء میں ایم۔اے کرنے کے بعد جامعہ اثریہ دارالحدیث میں اس وقت کے ناظم اعلیٰ حاجی فخر العبیدؒ نے تدریسی خدمات کے لئے رکھ لیا، ان دنوں آپ بحیثیت سرکاری مدرس تھے۔جامعہ اثریہ دارالحدیث میں دوران تدریس

۱۹۷۵ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تعلیم حاصل کرنے چلے گئے ،تعلیم مکمل ہونے کے بعد سعودی عرب سے مبعوث ہوکر دوبارہ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو میں آئے اور شعبۂ عربی میں ادھر چند سالوں پہلے تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔

امامت وخطابت: جامع مسجد پھاٹک محلّہ جمال پورہ مئو میں جامع مسجد ڈومن پورہ شمال اور جامع مسجد الحمد ڈومن پورہ باڑہ میں امامت کی، آپ نے ۲۵ سال تک مئو اور مئو کے باہر جمعہ کے خطبے دیئے۔ جامع مسجد الحمد ڈومن پورہ باڑہ مئو پر ہفتہ واری اتوار کے دن بعد نماز عصر درس قرآن دیتے تھے۔

مقالہ ومضامین: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بی ۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے ''لیلۃ القدر ومافیھا'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا جو ابھی تک غیر مطبوع ہے۔اس کے علاوہ گاہے بگاہے مجلّات میں کچھ مضامین شائع ہوتے رہے۔چالیس احادیث برائے خواتین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو ۹۶رصفحات پر مشتمل پاکٹ سائز میں شائع ہوئی ہے۔آپ نے ایک سفرنامہ بھی لکھا ہے جس کا مسودہ مفقود ہو گیا۔

رفاہی خدمات: آپ کے زیر نگرانی جامع مسجد الحمد ڈومن پورہ باڑہ مئو کی دومنزلہ عالی شان تعمیر ہوئی ہے، آپ ہی اس مسجد کے متولی تھے۔

علالت اور وفات: حافظ صاحب کی صحت بہت اچھی تھی ہمیشہ چلتے پھرتے اور خوش وخرم دکھائی دیتے تھے، وفات سے ایک ہفتہ قبل بخار میں مبتلا ہو گئے تھے اور سانس میں تکلیف رہنے لگی تھی بالآخر رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں ۲۲راپریل ۲۰۲۱ء بروز جمعرات گھر ہی پر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔''اِنَّا لِلّٰہِ واِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''

اسی روز بعد نماز عصر استاذ محترم شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ (استاذ جامعہ سلفیہ بنارس) کی امامت میں محلّہ ڈومن پورہ کساری کے صحن میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور اپنے آبائی قبرستان ڈومن پورہ پچھم بھجونا میں مدفون ہوئے۔

عادات ومعمولات: آپ حافظ علیہ الرحمہ خوش مزاج، مخلص، مرد خلیق اور زندہ دل انسان تھے اور اخلاقی طور پر بڑے ملنسار تھے ،مہمان نوازی اور علماء کرام کی قدردانی آپ کا شیوہ تھا تدریس کے علاوہ دعوت واصلاح اور رفاہی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے ،لوگوں میں آپ کی شناخت تھی ،عزم وحوصلہ والے اور صابروشاکر تھے، اپنی تمام اولاد کو بہترین تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا،اسی طرح خطباء اور تعلیم حاصل کرنے والے بچوں اور بچیوں کو ماہانہ وظیفہ دیتے تھے عصر اور مغرب بعد ہومیو پیتھ اور یونانی دواؤں کے ذریعہ عوام کی خدمت بھی کرتے تھے، آپ کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

ان کے انتقال پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور جماعت کے دیگر احباب نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کی تمام علمی ، دینی اور رفاہی خدمات کو شرف قبولیت بخشے ، بشری لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس کا مکین بنائے، آمین۔

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی

نصابی کتابیں

چمن اسلام قاعدہ	30/-
چمن اسلام اول	24/-
چمن اسلام دوم	30/-
چمن اسلام سوم	30/-
چمن اسلام چہارم	34/-
چمن اسلام پنجم	40/-
چمن اسلام مکمل سیٹ	188/-

مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش

کتاب الآداب

مؤلف: فؤاد بن عبدالعزیز الشلھوب

مترجم: محمد نعیم محمد شفیع سلفی

تقدیم

مولانا اصغر علی امام مھدی سلفی

صفحات:665 قیمت:-/300

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

آسام میں انہدامی کارروائی افسوسناک:

مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی

دہلی: ۲۵ر ستمبر۲۰۲۱ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری اپنے ایک بیان میں آسام میں مکانات کی انہدامی کارروائی پر اظہار رنج وافسوس اور نہتے وپُر امن شہریوں کے خلاف کارروائی کی مذمت کرتے ہوئے اسے جمہوری حق کو سلب کرنے اور دبانے کی کوشش قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے مطالبہ کرنا ہر شہری کا قانونی وجمہوری حق ہے۔ پُرامن مطالبہ کو دبانے کے لیے پرتشدد طریقہ اپنانے کو کسی بھی طور سے حق بجانب نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور بے گھر ہوئے لوگوں کی باز آبادکاری سرکار کی اولین ذمہ داری ہے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اپنے بیان میں انہدام کے طریقہ کار پر سوال اٹھاتے ہوئے کہا کہ موجودہ جگہ پر یہ مظلومین برسہا برس سے آباد تھے اور بسا اوقات حکومت کی رضامندی اور اس کے آباد کرنے سے ہی یہ لوگ وہاں مدتوں سے رہ رہے ہیں۔ ایسے میں متبادل جگہ فراہم کرنے سے قبل اس طرح کی کارروائی سے سرکار کے تئیں عوام میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے اوران کا اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ انہدامی کارروائی کے دوران کے جو ویڈیوز سوشل میڈیا میں وائرل ہورہے ہیں اس سے ملک کی ہرجگہ بدنامی ہورہی ہے یہ ہمارے لیے افسوس ناک ہے۔

انہوں نے مہلوکین کے ورثا اور زخمیوں کو معاوضہ دینے اوران کی مکمل باز آبادکاری اور خاطیوں کے خلاف قانونی کارروائی کا پرزور مطالبہ کیا ہے تاکہ اس طرح کے واقعات دوبارہ رونما نہ ہوں۔ انہوں نے مہلوکین کے ورثا سے اظہار تعزیت اور مظلومین کے لیے دعا کی ہے۔

....

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کارکن ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی کو صدمہ: نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی صاحب کارکن و میڈیا کوآرڈینیٹر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور ڈاکٹر عادل حیات صاحب گیسٹ ٹیچر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی خوش دامن صاحبہ اور معروف سماجی وتجارتی شخصیت جناب محمد اسرافیل صاحب کی اہلیہ محترمہ کا بتاریخ 19 ستمبر 2021ء کولکاتہ کے ایک اسپتال میں کڈنی فیل ہونے کے سبب انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ انتہائی خلیق وملنسار، متواضع، نیک دل، غریب پرور، اقربا نواز، سخی وفیاض، صوم وصلاۃ کی پابند خاتون تھیں، وہ اپنے خویش واقارب کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ انہوں نے کئی غریب لڑکیوں کی شادی اپنے خرچے سے کرائی اورانہوں نے اپنی اولاد کی اعلیٰ دینی وعصری تعلیم وتربیت کی۔ ان کے جانے سے اہل خانہ ہی نہیں بلکہ پورا خاندان سوگوار ہے۔

دوسرے دن بعد نماز ظہر کولکاتہ میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ میں موسم خراب ہونے کے باوجود عوام وخواص کی بڑی تعداد شریک ہوئی اور امامت ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی نے کی۔

پسماندگان میں شوہر جناب محمد اسرافیل صاحب، صاحبزادگان میں محمد عزرائیل، محمد شمشاد، محمد سجاد، محمد میکائیل، محمد نظام الدین، دوصاحبزادیاں اور متعدد پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، تمام نیکیوں کو شرف قبولیت بخشے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے اور جنت الفردوس کی مکین بنائے اور جملہ پسماندگان خصوصاً ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی اوران کی اہلیہ محترمہ، نیز مرحومہ کے بیٹے بیٹیوں اور شوہر و دیگر تمام اہل خانہ وخویش واقارب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (شریک غم ودعا گو: اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

(بقیہ صفحہ ۱۴ کا)

یہ بات عام ہے کہ ہم ہر ایک کے بارے میں کلام کرتے ہیں، کسی کی ہم تعظیم کرتے ہیں اور صحیح قرار دیتے ہیں تو کسی کی تحقیر کرتے ہیں اوراسے غلطی پر مانتے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے سیر میں فرمایا ہے: کتنا ہی بڑا خیر کا امام کیوں نہ ہو پھر بھی مسلمانوں میں ایسے جاہل ونادان، بدعتی مل جائیں گے جو اس کی برائی بیان کرتے ہوں گے اوراسی طرح کتنا بھی بڑا جہمی وبدعتی کیوں نہ ہو ضرور اس کے ہمدرد وہمنوا مل جائیں گے جو اس کی حمایت کریں گے اوراس کا دفاع بھی کریں گے۔'' سب کو کبھی بھی خوش نہیں کیا جاسکتا اسی طرح کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے کہ سب اس کی تعریف ہی کرتے ہوں۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ حق پسند ہو اور پھر اس پر ثابت قدم رہے۔

علماء معصوم عن الخطا نہیں ہیں۔ لیکن ان کی خطائیں نسبتاً کم ہوتی ہیں۔ اس امت کے علماء بہترین لوگ ہیں۔ جب معاملہ اس طرح کا ہے تو ان کی زیادہ اچھائیوں ودرستگیوں کے پیش نظر تھوڑی غلطیوں کو نظرانداز کرنا چاہیے۔

(بشکریہ ہفت روزہ الفرقان، کویت)

اہل حدیث منزل کی تعمیر و تکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال و اولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind
A/c: 629201058685
ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

جریدہ پندرہ روزہ ترجمان دہلی

ملک کے متعدد مقامات میں سیلاب سے جانی ومالی نقصانات کا جائزہ

تعاون کی اپیل

ملک کے متعدد مقامات خصوصاً صوبہ مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، بہار، یوپی وغیرہ کے بعض اضلاع کے اندر غیر معمولی بارش کی وجہ سے سیلاب کی ابتر صورت حال اور اس کے نتیجہ میں ہونے والے بھاری جانی ومالی نقصانات شدید رنج وغم کا باعث ہیں اوراس مصیبت کی گھڑی میں آپ سبھی سے انسانیت کے ناطے تعاون کی اپیل ہے۔

مصیبت زدہ علاقوں میں سیلاب کے سبب تباہی بڑھتی ہی جارہی ہے، لہٰذا متاثرین صبر وتحمل کا دامن تھامے رہیں اور آپسی بھائی چارہ اور باہمی تعاون کا خاص خیال رکھیں۔علاوہ ازیں تمام ہمدردان قوم وملت سے بلاتفریق مذہب اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مصیبت کی اس گھڑی میں انسانیت کے رشتے کو نبھاتے ہوئے اپنے بھائیوں کی بھرپور امداد کریں۔اسی طرح صوبائی ومرکزی حکومتوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ متاثرین کی راحت رسانی، باز آبادکاری نیز نقصانات کے معاوضہ کے سلسلہ میں مناسب اقدامات کریں۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی ترتیب وتنسیق اور تعاون سے صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کا ایک وفد سیلاب زدہ علاقوں میں ریلیف کا کام کرکے واپس لوٹا ہے اوراپنی جائزہ رپورٹ میں وہاں مزید تعاون کی سفارش کی ہے۔صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے ناظم مولانا سرفراز احمد اثری صاحب اورنائب ناظم انجینئر عظمت اللہ صاحب وغیرہ پر مشتمل یہ صوبائی وفد جسے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات اورصوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے قائم مقام امیر الحاج وکیل پرویز صاحب کی سربراہی میں روانہ ہونا تھا اور جس کے ایک رکن جناب حنیف انعامدار صاحب خازن صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر بھی تھے اور یہ دونوں مؤقر ذمہ داران روانگی کے لئے تیار بھی تھے لیکن بروقت چند عوارض پیش آنے کی وجہ سے شریک وفد نہ ہوسکے۔تاہم الحاج وکیل پرویز صاحب نے اپنے رفقاء کے ساتھ بڑے اہتمام سے وفد کو روانہ کیا اوراس دوران الحاج وکیل پرویز صاحب اور جناب حنیف انعامدار صاحب وفد اور متعلقہ جگہوں کے ذمہ داروں سے برابر رابطے میں رہے۔فجزاہم اللہ خیرا

مرکزی جمعیت نے مصیبت کی اس گھڑی میں متاثرین کے لیے دعا اور تمام بھائیوں خصوصاً اپنی تمام صوبائی شاخوں کے ذمہ داروں سے ان کی امداد کے لئے اپنے اپنے صوبوں سے بھرپور تعاون کی دوبارہ اپیل کرتی ہے۔ بلاشبہ اتنے بڑے پیمانے پر جان ومال کی تباہی وبربادی، قدرتی نظام کا حصہ ہے اوراس طرح کی آفات ارضی وسماوی، زمین پر بسنے والے ہم انسانوں کے گناہوں کے عام ہوجانے کی وجہ سے بھی آتی ہیں اوراس طرح اللہ تعالیٰ سنبھلنے کے لئے کبھی کبھی اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے اوراپنے بعض بندوں کو آزماتا ہے لہٰذا اس سے بندوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور صبر واحتساب سے کام لینا چاہئے اور عالمی پیمانے پر جہاں بھی لوگ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا اور مصیبت زدہ ہیں سب کے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرنی چاہئے اور تعاون میں جہاں تک ممکن ہو حصہ لینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ متاثرین کی خصوصی مدد فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی بلاؤں وبیماریوں سے محفوظ رکھے اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین

اپیل کنندگان

اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

ودیگر ذمہ داران واراکین

چیک /ڈرافٹ ان ناموں سے بنائیں:

Ahle Hadees Relief Fund
A/c No. 200110100007015
Bombay Mercantile Cooperative Bank LTD
IFSC Code: BMCB0000044
Branch: Darya Ganj, New Delhi

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind
A/c: 629201058685
ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292